دینی معلومات
کا
بنیادی نصاب
برائے
اراکین مجلس انصار اللہ

مرتبہ
حبیب اللہ خان ایم ایس سی

شائع کردہ
قیادت تعلیم مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ (پاکستان)

نام کتاب :- دینی معلومات کا بنیادی نصاب

طبع اوّل :- ۱۹۷۲ء

طبع دوم :- ۱۹۷۹ء

طبع سوم :- ۱۹۸۳ء

مقامِ اشاعت :- دفتر انصار اللہ مرکزیہ - ربوہ

مطبع :- ضیاء الاسلام پریس - ربوہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ؛ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

عرضِ حالِ طبعِ سوم

"نصاب بنیادی معلومات" کی اشاعت کی غرض یہ ہے کہ انصاراللہ کے سب اراکین دینی معلومات کے لحاظ سے ایک کم از کم معیار تک پہنچ جائیں۔

اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن نظرثانی اور اضافہ کے بعد شائع کیا جارہا ہے محترم پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب سابق قائد تعلیم مجلس انصاراللہ مرکزیہ (جنہوں نے پہلی بار یہ کتاب مرتب کی تھی)، نے اس ایڈیشن کی نظرثانی کی ہے اور بعض ضروری اضافے کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

گو یہ کتاب اراکین انصاراللہ کے لئے لکھوائی گئی اور مجلس انصاراللہ کے مرکزی امتحانات میں بطور نصاب شامل ہے۔ لیکن جہاں تک بنیادی دینی معلومات کا تعلق ہے۔ اطفال۔ خدام۔ انصار۔ ناصرات اور لجنات سبھی اس سے یکساں استفادہ کرسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ کتاب "نصاب بنیادی معلومات" کے اس تیسرے ایڈیشن کو نافع الناس بنائے۔ آمین۔ والسلام

یکم تبوک ۱۳۶۲ ہش
ستمبر ۱۹۸۳ء

خاکسار منور شمیم خالد
قائدِ تعلیم مجلسِ انصاراللہ مرکزیہ

فہرست مضامین

بابِ اوّل

عقائد۔ عبادات اور روزمرہ پیش آنے والے مسائل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ہمارا مذہب

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :۔

" ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ۔ ہمارا اعتقاد جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم بفضل و توفیق باری تعالیٰ اس عالم گذران سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاتم النبیین و خیر المرسلین ہیں جن کے ہاتھ سے اکمال دین ہو چکا اور وہ نعمت بمرتبہ اتمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ سے انسان راہِ راست کو اختیار کر کے خدائے تعالےٰ تک پہنچ سکتا ہے ۔ اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتبِ سماوی ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا ۔ اور نہ کم ہو سکتا ہے ۔ اور اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکامِ

فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیلی یا تغییر کر سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مؤمنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔ اور ہمارا اس بات پر بھی ایمان ہے کہ ادنیٰ درجہ صراطِ مستقیم کا بھی بغیر اتباع ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرگز انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ راہ راست کے اعلیٰ مدارج بجز اقتداء اس امام الرسل کے حاصل ہو سکیں۔ کوئی مرتبہ شرف و کمال کا اور کوئی مقام عزّت و قرب کا بجز سچّی اور کامل متابعت اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلّم کے ہم ہرگز حاصل کر ہی نہیں سکتے۔ ہمیں جو کچھ ملتا ہے ظلّی اور طفیلی طور پر ملتا ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۱۰۰۶۹)

روزمرّہ کے فقہی مسائل

بچّے کی ولادت

اسلام کا یہ حکم ہے کہ جب کسی کے گھر بچّہ پیدا ہو تو اس کے دائیں کان میں اذان کہی جائے اور بائیں کان میں اقامت۔ گھٹّی (جسے ہمارے ملک میں گڑھتی بھی کہتے ہیں) دینا بھی مستحب ہے۔ ساتویں

دن عقیقہ کیا جائے ۔ لڑکے کی طرف سے دو بکرے یا مینڈھے اور لڑکی
کی طرف سے ایک بکرا یا مینڈھا ذبح کیا جائے یہ سنّت ہے ۔ قربانی
کی طرح عقیقہ کا گوشت بھی گھر میں استعمال کے علاوہ ہمسایوں ،
رشتہ داروں اور غرباء میں تقسیم کرنا چاہیئے ۔ اگر لڑکا ہو تو عقیقہ کیساتھ
ختنہ بھی کروا دیا جائے تو سہولت ہوگی لیکن ساتھ ہی کروانا ضروری نہیں ۔

تعلیم و تربیت

بچپن کا زمانہ تعلیم و تربیت کے لحاظ سے بڑا اہم ہے ۔ اگر گھر اور
ارد گرد کا ماحول پاک صاف ہو تو بچے کی فطرتی سعادت چمک اٹھتی ہے
اس لئے اس کا بہت خیال رکھنا چاہیئے ۔ ابتداء قاعدہ یسرنا القرآن
سے کی جائے تو بچہ جلدی پڑھنے لگ جاتا ہے جب وہ سات برس
کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کی ترغیب دینی چاہیئے ۔ گویا سات
برس کی عمر ہونے تک اسے نماز سکھا دینی چاہیئے ۔ دس برس کی عمر
میں نماز کی سخت تاکید ہونی چاہیئے ۔ اور اگر ضرورت محسوس ہو تو کسی قدر
سرزنش بھی کی جا سکتی ہے ۔ دینی تعلیم بہرصورت دنیوی تعلیم سے مقدم
رہنی چاہیئے ۔ بلوغت سے قبل صحیح اعتقادات اور اہم اعمال یعنی نماز
روزہ ، حج ، زکوٰۃ وغیرہ سے متعلق ضروری تعلیم دے دینی چاہیئے ۔

صحیح عقائد

صحیح عقائد جن پر ایمان کی بنیاد ہے یہ ہیں :-

۱ - خُدا تعالےٰ کی توحید کا اقرار اور اس امر پہ ایمان رکھنا کہ اسکی ذات اور صفات میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

۲ - فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہیں جو خدائے تعالیٰ کا پیغام اور اس کا فیضان لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ دنیا کے تمام کام انہیں کے توسط سے ہوتے ہیں۔ کائنات کا سارا انظام انہیں کے ذریعہ سے چل رہا ہے۔ وہ خالق اور مخلوق میں ایک درمیانی واسطہ کا کام دیتے ہیں۔

۳ - ہر زمانہ اور ہر قوم میں خُدا کے نبی آتے رہے ہیں۔ ان تمام انبیاء کو ماننا ضروری ہے۔ بلحاظ نبوّت وہ سب برابر ہیں۔

۴ - پہلے زمانوں میں جو انبیاء مبعوث ہوئے ان کی تعلیم ایک خاص قوم کے لئے اور ایک خاص مدّت کے لئے ہوتی تھی۔ ان میں سے بعض صاحبِ شریعت نبی تھے یعنی نئی تعلیم لے کر آئے تھے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ۔ لیکن بعض صاحبِ شریعت نہیں تھے۔ بلکہ کسی صاحبِ شریعت نبی کی شریعت کے تابع تھے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ حضرت ہارونؑ۔ یا ان کے بعد میں مبعوث ہونیوالے دیگر انبیاء جو شریعت موسوی کے تحت مبعوث ہوئے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السّلام۔

۵ - دنیا کی ہدایت کے لئے جتنے نبی پیدا ہوئے۔ ان کے درجے اور مرتبے الگ الگ تھے۔ اور ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت

حاصل تھی۔ لیکن ان سب کے سردار حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپؐ کو اوّلین وآخرین سب پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالٰی نے آپ کو خَاتَمُ النَّبِیّٖن کے بزرگ خطاب سے نوازا۔ یعنی سب نبیوں سے اعلیٰ اور افضل اور سب نبیوں کے سردار۔ دوسرے انبیاء پر آپؐ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپؐ کی تعلیم اور شریعت کامل اور دائمی ہے جو تا قیامت قائم اور قابلِ عمل رہے گی اور ایک شعشہ بھی اس کا منسوخ یا تبدیل نہ ہوگا۔ خدائے تعالٰی نے خود اسکی لفظی اور معنوی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

۶۔ مختلف زمانوں میں جو کتابیں اللہ تعالٰی کی طرف سے بندوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوتی رہیں ان سب کو ماننا ضروری ہے۔ لیکن ان پر عمل کرنے کا حکم نہیں کیونکہ قرآن کریم کے نزول کے ساتھ آخری اور کامل شریعت آچکی ہے اور اس کے سوا پہلی تمام شریعتیں منسوخ کی جاچکی ہیں۔ لہٰذا اب صرف قرآن کریم کی پیروی سے ہی خدائے تعالٰی سے تعلق قائم ہوسکتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ درجہ میں سب سماوی کتب سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اور خدا کی آخری کتاب ہے۔ اور ہر پہلو سے کامل اور کافی ہے جس کے ہوتے ہوئے کسی اور تعلیم کی حاجت نہیں رہتی۔

۷۔ مرنے کے بعد ایک دن ایسا آنے والا ہے جب سب کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اور ان سے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ ان میں سے جو لوگ خدا اور اس کے رسولوں کے احکام کی پیروی کرنے والے ہوں گے وہ جنّت میں رکھے جائیں گے لیکن وہ لوگ جو

شرک اور ظلم اور فتنہ و فساد میں مُبتلا ہے اور گندی زندگی بسر کی اُن کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ دوزخ کا عذاب ایک خاص مدّت کے لئے ہوگا لیکن جنّت کا انعام دائمی ہوگا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

۸۔ ہمارا خُدا ایک زندہ خُدا ہے وہ اَب بھی دیکھتا اور سُنتا اور بولتا ہے۔ جیسے پہلے دیکھتا، سُنتا اور بولتا تھا۔ اَب بھی وُہ پکارنے والے کی پکار کو سنتا اور اس کا جواب دیتا ہے۔ اس کا کلام اپنے پیارے بندوں پر ہمیشہ نازل ہوتا رہا ہے اور اب بھی نازل ہوتا ہے۔ اس زمانہ کی ہدایت کے لئے اس نے حضرت مسیح موعودؑ کو نازل کیا اور ان کے ذریعہ سے اپنی قدرتوں اور رحمتوں کے جلوے دنیا کو دکھائے۔

۹۔ خُدائے تعالیٰ کی تقدیر پر بھی یقین رکھنا ضروری ہے۔ یعنی اس بات پر کہ ہر خیر و شر کے اس نے اندازے مقرر کئے ہیں اس کی ایک تقدیر قانونِ قدرت کے رنگ میں جاری ہے جس سے ہر مومن و کافر یکساں متأثر ہوتا ہے۔ لیکن ایک تقدیر وہ ہے جو خاص بندوں سے تعلق رکھتی ہے۔ عام تقدیر تو یہ ہے کہ طاقتور کمزور پر اور اکثریت اقلیت پر غالب آتی ہے لیکن وہ خاص الخاص خدائی تقدیر تھی جس نے کمزور موسیٰ کو جابر فرعون پر غالب کر دیا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود اکیلے ہونے کے سارے عرب پر غلبہ عطا کیا۔ خُدا کی یہ خاص تقدیر اپنے رسولوں کی تائید کے لئے ہر

زمانہ میں ظاہر ہوتی رہتی ہے ۔

۱۰۔ حضرت عیسٰی علیہ السّلام خُدا کے ایک بزرگ نبی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بنی اسرائیل میں نبی ہو کر آئے ۔ ان کی پیدائش بن باپ کے تھی ۔ اور وہ دوسرے انسانوں اور دوسرے انبیاء کی طرح اپنی زندگی گذار کر فوت ہو گئے نہ وہ اس خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر گئے اور نہ اب دوبارہ دنیا میں آئیں گے ۔ مسیح ابن مریم کے نازل ہونے کی جو خبر ملتی ہے اس سے مراد مثیلِ مسیح ہے نہ کہ وہ مسیح ناصری جو قرآن کریم کے واضح بیان کے مطابق وفات پا کر ہمیشہ کے لئے اس دُنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ۔

پنج بنائے اسلام

جو شخص دل سے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھتا ہے وہ مسلمان ہے ۔ اُسے مذکورہ صحیح عقائد کی تعلیم دینی چاہیئے ۔ علاوہ ازیں ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اعمال صالحہ کی طرف بھی توجہ دے تب ہی وہ خُدا کی رضا حاصل کر سکتا ہے ۔ اہم اعمال جن پر اسلام کی بنیاد ہے ۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق پانچ ہیں جو ارکانِ اسلام کہلاتے ہیں اور وہ یہ ہیں :۔

۱۔ کلمۂ شہادت جس کے الفاظ یہ ہیں اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

وَحْدَہٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔ یعنی دل کے اعتقاد اور پورے یقین کے ساتھ زبان سے علی الاعلان یہ گواہی دینی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ گواہی دینی کہ محمد اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)

۲ ۔ پانچ نمازوں کا ہر روز ان کے مقررہ وقت پر ادا کرنا ۔

۳ ۔ رمضان کے روزے رکھنا ۔

۴ ۔ بیت اللہ کا حج کرنا ۔

۵ ۔ زکوٰۃ کا ادا کرنا ۔

والدین کا فرض ہے کہ مندرجہ بالا عقائد و اعمال اپنے بچّوں کو محبّت اور شفقت اور پوری توجّہ سے سکھائیں اور اس میں ذرا بھی غفلت اور کوتاہی نہ ہو ۔ بعض اوقات مناسب تأدیب اور سرزنش سے بھی کام لینا پڑتا ہے ۔ لیکن تربیت کا اصل انحصار دُعا پر ہے ۔ اگر دُعا کا پہلو کمزور رہ جائے تو محض انسانی کوششوں سے نیک نتیجہ ظاہر نہیں ہوسکتا ۔ اور تعلیم و تربیت کرتے وقت یہ بات مدّنظر رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔

اَكْرِمُوْا اَوْلَادَكُمْ ۔

یعنی اپنی اولاد کی عزّت کرو اور ان سے احترام سے پیش آؤ ۔

نماز سے متعلق ضروری اُمور

۱ - اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں مقرر کی ہیں۔یعنی نماز فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء۔

۲ - **اوقاتِ نماز**:- فجر کی نماز صبح صادق کے ظاہر ہونے سے سورج کے نکلنے تک پڑھی جاتی ہے۔

ظہر:- ظہر کا وقت سورج کے ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس وقت ختم ہوجاتا ہے جب کسی چیز کا سایہ اس کی اونچائی سے بڑھ جائے یہ سایہ اس سایہ کے علاوہ ہے جو کسی چیز کا ٹھیک دوپہر کے وقت ہوتا ہے۔

عصر:- ظہر کا وقت ختم ہونے سے شروع ہوتا اور دھوپ کا رنگ زرد ہونے تک رہتا ہے۔مجبوری کی صورت میں سورج کے غروب ہونے تک پڑھی جاسکتی ہے۔

مغرب:- سُورج کے غروب ہوجانے کے بعد سے اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ مغرب کی جانب سُرخی اور سفیدی باقی رہے۔یعنی شفق کے آخری وقت تک۔

عشاء:- شفق کے ختم ہونے سے شروع ہوتا ہے اور آدھی رات تک رہتا ہے۔اگر کسی مجبوری کی وجہ سے آدھی رات

تک نہ پڑھی گئی ہو تو اس کے بعد بھی فجر سے پہلے پڑھی جا سکتی ہے۔

۳۔ **اوقاتِ ممنوعہ:۔** مندرجہ ذیل اوقات میں نماز پڑھنا ممنوع ہے:۔

(ا) جب سورج نکل رہا ہو یا جب غروب ہو رہا ہو۔

(ب) جب سورج سر پر ہو یعنی ٹھیک دوپہر کے وقت۔

(ج) نماز عصر کے بعد سے سورج کے غروب ہونے تک نفل نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔

(د) صبح کی نماز کے بعد سے سورج کے نکلنے تک نفل نہیں پڑھنے چاہئیں۔

۴۔ **تعداد رکعات:۔** فجر:۔ دو سنت۔ دو فرض سنتیں اگر فرض سے پہلے نہ پڑھی جا سکیں تو فرضوں کے بعد پڑھ لینا جائز ہے۔

ظہر:۔ چار سنت۔ چار فرض۔ بعد میں دو یا چار سنتیں۔ پہلی چار سنتوں کی بجائے دو پڑھنا بھی جائز ہے۔

عصر:۔ چار فرض۔

مغرب:۔ تین فرض۔ دو سنت۔

عشاء:۔ چار فرض۔ دو سنت۔ پھر تین رکعت وتر۔

۵۔ **نوافل:۔** (۱) فجر کے علاوہ باقی ہر اذان اور اقامت کے درمیان دو نفل۔

۲۔ نماز تہجد کے کم از کم دو نفل زیادہ سے زیادہ آٹھ۔

۳۔ نماز اشراق کے دو یا چار نفل۔ یہ نماز سورج نکلنے کے بعد

کچھ دن چڑھے تک پڑھی جاتی ہے۔

۴۔ نمازِ چاشت کے دو یا چار نفل۔اس کا وقت اشراق کے کچھ دیر بعد ہے۔

۶۔ شرائط نماز و مسائل وضو:۔

نماز کے لئے جسم، لباس اور جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے اگر انسان جنبی ہو یعنی منی خارج ہو گئی ہو یا مجامعت کی ہو تو پہلے غسل کرنا ضروری ہے اگر کسی مجبوری کے باعث غسل نہ کر سکے تو تیمّم کر کے نماز ادا کر سکتا ہے۔

۷۔ نماز سے قبل وضو کرنا ضروری ہے۔ وضو کا طریق یہ ہے کہ تین مرتبہ ہاتھ پہنچوں تک دھوئے پھر تین مرتبہ کلّی کرے۔ تین دفعہ ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کرے۔ تین مرتبہ مُنہ دھوئے۔ پھر کہنیوں تک ہاتھ تین مرتبہ دھوئے پھر ہاتھ تر کر کے سر کا مسح کرے پیشانی سے گدّی تک پھر انگلی کان کے اندر پھرائے اور انگوٹھوں کو کان کی پشت پر سے گزارے۔ پھر دائیں اور بائیں پاؤں کو تین تین مرتبہ دھوئے۔ اگر پانی کی قلّت ہو تو دو دو یا ایک ایک مرتبہ دھونا بھی جائز ہے۔

۸۔ اگر پانی بالکل میسّر نہ ہو یا اس قدر کم ہو کہ صرف پینے کے لئے کافی ہو یا وضو کرنے یا نہانے سے بیماری پیدا ہونے یا بڑھنے کا ڈر ہو تو تیمّم کر لینا چاہیئے۔ تیمّم کا طریق یہ ہے۔ کہ پاک مٹی یا کچی دیوار پہ ہاتھ مار کر مُنہ پہ ملے اور دوسری مرتبہ ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں پر کہنیوں

یا کلائی تک ملے۔ ایک مرتبہ ہاتھ مار کر تیمم کرنا بھی مسنون ہے۔

۹۔ غسل اور وضو کے لئے پانی پاک صاف ہونا چاہیئے۔ چشموں، ندی نالوں۔ دریاؤں اور کنوؤں کا پانی پاک ہوتا ہے۔ بند پانی مثلاً تالاب وغیرہ کا پاک سمجھا جاتا ہے بشرطیکہ کسی گندگی کی وجہ سے اس کا رنگ اور ذائقہ نہ بدلا ہو اور نہ بُو بدلی ہو۔ اگر کنویں یا تالاب میں کوئی جانور گر کر مر جائے یا اور کوئی گندی چیز گر جائے تو اسے نکال دینا چاہیئے۔ جب تک پانی کے رنگ بو یا ذائقہ میں اس کی وجہ سے فرق پیدا نہ ہو وہ پاک ہے۔ اگر ان میں تبدیلی ہوگئی ہے تو اس قدر پانی نکالا جائے کہ رنگ، ذائقہ اور بُو صاف ہو جائے۔ ڈولوں کی تعداد معین نہیں۔

۱۰۔ وضو کے بعد یہ دُعا پڑھنی چاہیئے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ۔ اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں میں سے کر دے اور مجھے پاک رہنے والوں میں سے بنا دے۔

۱۱۔ پیشاب، پاخانہ یا کوئی اور رطوبت یا ریح خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کسی چیز کا سہارا لگا کر یا لیٹ کر سونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

ہوا خارج ہونے یا وضو ٹوٹ جانے کے بارے میں اگر شک ہو تو شک کی وجہ سے تازہ وضو کرنا لازم نہیں آتا۔ تاہم وضو

کر لینا باعثِ ثواب ہے۔

۱۲۔ جرابیں اگر وضو کی حالت میں پہنی ہوں تو ان پر مسح کیا جا سکتا ہے مقیم کے لئے جرابوں پر ایک دن رات تک مسح کرنا جائز ہے۔ لیکن مسافر تین دن اور تین رات ان پر مسح کر سکتا ہے۔ وقت کی ابتداء اس گھڑی سے ہو گی جب جرابیں پہننے کے بعد وضو ٹوٹے۔ اگر کسی نے ظہر کے وقت وضو کر کے جرابیں پہنیں اور مغرب کے وقت وضو ٹوٹا تو اس مغرب سے مسح کا وقت شروع ہو گا اور اگلے روز مغرب تک رہے گا۔

۱۳۔ نماز میں کھڑے ہوئے یا رکوع یا سجدہ میں سو جانے یا اونگھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۱۴۔ اگر بوٹ ٹخنوں تک ہوں اور ان کو پہن کر نماز پڑھنی ہو۔ تو ان پر مسح ہو سکتا ہے ورنہ بوٹ اتار کر پاؤں دھوئے یا جرابیں باوضو پہنی ہوں تو ان پر مسح کرے۔

نماز اور اس کے پڑھنے کا طریق

نماز پڑھنے والا جب نماز کے لئے تیار ہو تو چاہیئے کہ قبلہ رُخ کھڑا ہو۔ دونوں ہاتھ کانوں یا کندھوں تک اٹھائے۔ اور اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ سینے پر یا اس کے نیچے اس طرح باندھے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ پر پہنچے سے آگے ہو اور حسبِ ذیل ثناء اور تعوّذ اور تسمیہ پڑھے۔

ثناء: ۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ ۔

یعنی اے اللہ تو ہر عیب اور کمزوری سے پاک ہے اور (صرف پاک ہی نہیں بلکہ) تمام قابل تعریف صفات سے متصف ہے تیرا نام برکت والا اور تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی اور معبود نہیں ۔

تعوّذ: ۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔

میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے دھتکارے ہوئے شیطان سے ۔

تسمیہ: ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔

پڑھتا ہوں اللہ کے نام سے جو بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے ۔

اس کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھ کر کوئی اور سورۃ یا کچھ حصہ قرآن کریم کا پڑھے ۔

سورۃ فاتحہ: ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو سب جہانوں کا پالنے والا

ہے ۔ بے حد کرم کرنے والا ، بار بار رحم کرنے والا۔ جزا سزا کے
وقت کا مالک ہے (اے خدا) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں
اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھے راستے پر چلا ۔
اُن لوگوں کے راستے پر جن پر تُو نے انعام کیا ہے ۔ جن پر نہ تو
(بعد میں تیرا) غضب نازل ہُوا اور نہ وہ بعد میں گمراہ ہوئے۔

سُورۃ اخلاص :۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ٥ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ٥ لَمْ
يَلِدْ ۙ ٥ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ ٥ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ
كُفُوًا اَحَدٌ ٥

(میں) اللہ کا نام لے کر جو بے حد کرم کرنے والا (اور) بار بار
رحم کرنے والا ہے (پڑھتا ہوں) تو کہتا چلا جا کہ اللہ اپنی ذات
میں اکیلا ہے ۔ اللہ وہ ہستی ہے جس کے سب محتاج ہیں ۔
(اور وہ کسی کا محتاج نہیں) نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ
وہ جنا گیا ہے اور (اس کی صفات میں اس کا کوئی بھی شریک کار نہیں ۔
اس کے بعد اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر رکوع میں جائے اور کم از کم تین
بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ پڑھے ۔ (یعنی پاک ہے میرا رب
بڑی عظمت والا) اطمینان سے رکوع کرنے کے بعد سیدھا کھڑا ہو کر
تسمیع و تحمید پڑھے ۔

تسمیع :۔ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ۔

اللہ تعالےٰ نے اس کی سُنی جس نے اس کی تعریف کی۔

تحمید:۔ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ۔ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ ۔

اے ہمارے رب سب تعریف تیرے لئے ہے۔ تعریف بہت زیادہ اور پاک جس میں برکت ہو ۔

اس کے بعد اللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر سجدہ میں جائے اور کم از کم تین بار تسبیح پڑھے یعنی سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ۔ (پاک ہے میرا رب جو بڑی شان والا ہے)۔

اس کے بعد اللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر بیٹھ جائے اور یہ دُعا پڑھے :۔

دُعا بین السجدتین:۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْفَعْنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَارْزُقْنِيْ ۔

اے میرے اللہ میرے گناہ بخش دے اور مجھ پر رحم کر اور میری رہنمائی فرما اور مجھے تندرستی دے اور مجھے عزت عطا کر اور میری اصلاح کر اور مجھے رزق عطا فرما ۔

اس دُعا کے بعد اللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر دوسرا سجدہ کرے اور تین بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى پڑھے جس طرح پہلے سجدہ میں پڑھی تھی ۔

پھر اللہ اکبر کہہ کر دوسری رکعت کے لئے سیدھا کھڑا ہو جائے اور ہاتھ باندھ کر پہلی رکعت کی طرح سورۃ فاتحہ اور کوئی اور حصہ قرآن کا پڑھے

پھر پہلے کی طرح رکوع کرے۔ کھڑا ہو اور دو سجدے کرکے دوسری رکعت مکمل کرے اور پھر اس طرح بیٹھ جائے کہ دایاں پاؤں کھڑا ہو اور بایاں پاؤں بچھا ہوا ہو۔ ہاتھوں کو گھٹنوں کے پاس رانوں پر رکھ کر تشہد، درود اور دعائیں پڑھے۔

تشہد:۔ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔

تمام زبانی اور بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں (اور) اے نبیؐ آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ہوں نیز ہم پر بھی سلام ہو اور اس کے دوسرے نیک بندوں پر بھی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

درود شریف:۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۔

اے اللہ فضل کر محمدؐ پر اور محمدؐ کی پیروی کرنے والوں پر جس طرح فضل کیا تو نے ابراہیمؑ اور ابراہیمؑ کی پیروی کرنے والوں پر ضرور تو ہی حمد والا بڑی شان والا ہے۔ اے اللہ برکت نازل فرما محمدؐ پر اور محمدؐ کی پیروی کرنے والوں پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیمؑ پر اور ابراہیمؑ کی پیروی کرنے والوں پر۔ ضرور تو ہی سب تعریف والا اور بڑی شان والا ہے۔

دُعائیں :۔

۱۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

اے ہمارے رب دے ہم کو اس دنیا میں ہر قسم کی بھلائی اور آخرت میں بھی ہر قسم کی بھلائی اور بچا ہم کو آگ کے عذاب سے۔

۲۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابِ۔

اے اللہ بنا مجھ کو قائم کرنے والا نماز کا اور میری اولاد کو (بھی) اے ہمارے رب اور تو قبول کر دُعا کو۔ اے ہمارے ربّ بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور سب مومنوں کو جس دن حساب قائم ہو۔

ان دعاؤں کے بعد پہلے دائیں طرف اور پھر بائیں طرف مُنہ پھیر کر

کہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ۔
یعنی سلامتی ہو تم پر اور اللہ کی رحمتیں۔

نماز کے بعد کی دُعائیں

۱۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَاذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔
یعنی اے اللہ تو سلام ہے۔ اور تجھ سے ہی ہر قسم کی سلامتی ہے تو بہت برکتوں والا ہے اے جلال اور اکرام والے (خدا)۔
۲۔ اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ۔
اے اللہ میری مدد فرما کہ میں تیرا ذکر اور تیرا شکر اور تیری اچھی عبادت بجا لاسکوں۔
۳۔ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَالْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔
اے اللہ کوئی روکنے والا نہیں اس چیز کو جو تُو نے عطا کی اور نہیں دینے والا کوئی چیز جس کو تُو نے روک دیا ہو۔ اور نہیں فائدہ دیتی بزرگی والے کو تیرے سامنے کوئی بزرگی۔
دعاؤں کے بعد تینتیس دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہِ۔ تینتیس دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور چونتیس دفعہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھے۔

نمازِ وتر

نماز وتر واجب ہے ۔ اس کی تین رکعتیں ہیں جو عشاء کے فرض اور دو سنتوں کے بعد سے تہجد کا وقت ختم ہونے تک پڑھی جاسکتی ہیں ۔ بہتر یہی ہے کہ عشاء کی نماز کے ساتھ پڑھی جائیں لیکن جس شخص کو یقین ہو کہ وہ تہجد کے وقت اُٹھ سکتا ہے وہ اس وقت ادا کرے ۔ پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ، دوسری میں الکافرون اور تیسری میں سورۃ اخلاص پڑھنا مسنون ہے ۔ تینوں رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی حصّہ قرآن کریم پڑھنا ضروری ہے ۔ نماز وتر پڑھنے کے کئی طریق ہیں ۔

(۱) دو رکعت علیحدہ اور تیسری رکعت علیحدہ ۔ (بخاری و مسلم)

(۲) تینوں رکعتیں ملا کر یعنی دو رکعت کے تشہد کے بعد تیسری رکعت پڑھیں ۔ (ابوداؤد ۔ ترمذی)

دُعاءِ قنوت تیسری رکعت میں رکوع کے بعد پڑھیں ۔

دُعاءِ قنوت ۱ :۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ

اے اللہ ہم یقیناً تیری مدد چاہتے ہیں اور تجھ سے بخشش مانگتے ہیں اور ہم

بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ

تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور ہم توکل کرتے ہیں تجھ پر اور ہم تعریف کرتے ہیں تیری بہتر

وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ

اور ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور ہم تیری ناشکری نہیں کرتے اور ہم الگ ہوتے ہیں اور

مَنْ يَّفْجُرُكَ ط اَللّٰھُمَّ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّیْ

چھوڑتے ہیں اسے جو نافرمانی کرے تیری۔ اے اللہ صرف تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں

وَنَسْجُدُ وَاِلَیْكَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا

اور تیرے لئے ہم نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور تیری طرف ہم دوڑتے ہیں اور ہم

رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰی عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ

تیرے حضور حاضر ہوتے ہیں اور ہم اُمید رکھتے ہیں تیری رحمت کی اور ہم ڈرتے ہیں تیرے

بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ ط

عذاب سے۔ یقیناً تیرا عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے۔

دُعاءِ قنوت ۲ :-

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ ط وَعَافِنِیْ فِیْ

اے اللہ مجھے ہدایت دے ان میں شامل کرکے جن کو تُو نے ہدایت دی اور مجھے سلامت رکھ

مَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِكْ

ان لوگوں میں شامل کرکے جن کو تُو نے سلامت رکھا اور مجھے دوست رکھ ان میں شامل کرکے جنہیں تو دوست

لِیْ فِیْمَآ اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ

رکھتا ہے اور برکت دے مجھے اس میں جو تُو نے مجھے عطا کیا اور بچا مجھے اس چیز کے شر سے جسکا تُو نے

فَاِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْكَ اِنَّهٗ لَا یَذِلُّ

فیصلہ کیا پس یقیناً تو ہی فیصلہ کرتا ہے اور نہیں فیصلہ کیا جاتا تیرے خلاف۔ یقیناً وہ

مَنْ وَّالَیْتَ ط وَاِنَّهٗ لَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ ط

نہیں ذلیل ہوگا جس کا تو دوست بن جائے اور یقیناً وہ نہیں عزت پاتا جسکا تو دشمن ہو جائے۔

نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ ط تَبَارَكْتَ رَبَّنَا

ہم بخشش مانگتے ہیں تجھ سے اور ہم رجوع کرتے ہیں تیری طرف۔ تو برکتوں والا ہے اے

وَتَعَالَيْتَ ط وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ ط

ہمارے رب اور تو بلند شان والا ہے اور رحمتیں ہوں اللہ کی نبی (کریم) پر ؛

نماز سے متعلق ضروری باتیں

۱ ۔ اگر نماز کی صرف ۲ دو رکعت پڑھنی ہوں تو دوسری رکعت کے تشہد کے بعد درود اور دعائیں پڑھ کر سلام پھیر دے۔

۲ ۔ اگر نماز کی تین رکعتیں پڑھنی ہوں تو دوسری رکعت میں تشہد پڑھنے کے بعد اللہ اکبر کہکر کھڑا ہو جائے۔ تیسری رکعت میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھے اور رکوع و سجود سے فارغ ہو کر تشہد وغیرہ پڑھے اور سلام پھیر دے۔

۳ ۔ اگر فرض نماز کی چار رکعتیں پڑھنی ہوں تو پہلی ۲ دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھ جائے اور تشہد پڑھے۔ تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھے۔ اور چوتھی رکعت کے سجدوں سے فارغ ہو کر تشہد کے لئے بیٹھے اور درود اور دعاؤں کے بعد سلام پھیر دے۔

۴ ۔ اگر سنتیں یا نفل چار پڑھنے ہوں تو ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی حصہ قرآن کریم کا پڑھے۔

۵۔ امام سورۃ فاتحہ کے بعد دوسری سورۃ پڑھنے کے لئے بسم اللہ خواہ دل میں (سِرًّا) پڑھے یا بلند آواز سے (جہرًا) پڑھے دونوں طرح درست ہے۔ اسی طرح آمین بھی آہستہ یا بلند آواز سے کہنا درست ہے۔

۶۔ تشہد میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہتے وقت شہادت کی اُنگلی اُٹھائیے۔ انگلی اٹھانا مستحب ہے۔

۷۔ رکوع کے وقت کمر سیدھی ہو اور نگاہیں نیچے سجدہ گاہ پر ہوں۔ رکوع پورے اطمینان سے کیا جائے۔

۸۔ رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا چاہیئے۔ پھر اطمینان سے سجدہ کیا جائے۔ سجدہ میں جانے کے لئے گھٹنے زمین پر پہلے رکھے سوائے اس کے کہ کوئی مجبوری ہو۔ سجدہ کے وقت پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے پنجے زمین کو چھو رہے ہوں۔ کہنیاں زمین سے اونچی ہوں۔ بازو بغلوں سے اور رانوں سے الگ ہوں۔ ہاتھوں کی انگلیاں اکھٹی اور قبلہ رُخ ہوں۔ اسی طرح پاؤں کی انگلیاں بھی۔ پاؤں زمین سے اُونچے نہ کرے۔

۹۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سینے پر ہاتھ باندھتے تھے۔ بعض لوگ ناف پر یا پیٹ پر باندھتے ہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ یہ جواز کی صورتیں ہیں۔

۱۰۔ نماز میں اگر کچھ بھول جائے یا کسی قسم کی کمی بیشی کا خیال ہو تو یقینی

حصّہ سے نماز پوری کرے ۔ اور تشہد، درود اور ماثورہ دعائیں کے بعد سلام سے پہلے یا پیچھے دو سجدے سہو کرے ۔ مثلاً شبہ ہو کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار تو تین یقینی سمجھ کر ایک رکعت اور پڑھے اور پھر سجدہ سہو کرے ۔

۱۱ - امام اگر کوئی چیز بھول جائے یا غلطی کرے تو مقتدیوں کو چاہیئے کہ سبحان اللہ کہیں ۔ اگر امام اپنی غلطی کو نہ پہچانے تو امام کی اتباع کی جائے ۔ اور بعد نماز غلطی سے مطلع کر دیا جائے ۔ اگر امام کوئی آیت بھول جائے یا غلط پڑھے تو مقتدی اونچی آواز سے صحیح آیت پڑھ دیں ۔ غلطی سے اگر نماز کے ارکان کی ترتیب بدل جائے یا نماز کا کوئی واجب رکن رہ جائے مثلاً درمیانی قعدہ تو سجدہ سہو ضروری ہو جاتا ہے ۔

۱۲ - مقتدی کی کوئی حرکت امام سے پہلے نہیں ہونی چاہیئے ۔

۱۳ - اگر صرف ایک ہی مقتدی ہو تو امام کے دائیں طرف کھڑا ہو ۔ جب دوسرا مقتدی آ جائے تو وہ پہلے مقتدی کو پیچھے کھینچ کر دونوں امام کے پیچھے ہو جائیں ۔

۱۴ - جس وقت امام سورۃ فاتحہ کے علاوہ کوئی حصّہ قرآن کریم کا پڑھے تو مقتدی خاموش کھڑے رہ کر سنیں ۔ آیات کو زبان سے نہ دہرائیں ۔ البتہ سورۃ فاتحہ خلف امام سب کے لئے پڑھنا ضروری ہے ۔ (ملفوظات جلد نہم صفحہ ۴۳۶)

۱۵ - نمازی کے سامنے سے گذرنا منع ہے اگر کوئی نمازی مسجد میں نماز پڑھ رہا ہو تو ایک صف کی جگہ چھوڑ کر اس کے سامنے سے گذر سکتے ہیں۔ جو نمازی کھلی جگہ نماز پڑھے اس کو چاہیئے کہ کوئی چیز اپنے سامنے رکھ لے۔ اسے سترہ کہتے ہیں۔

۱۶ - اگر کوئی شخص ایسے وقت میں جماعت میں شامل ہو جب امام ایک یا دو رکعتیں پڑھ چکا ہو تو جتنی رکعتیں رہ گئی ہیں امام کے سلام پھیر لینے کے بعد پوری کرے۔ یعنی خود امام کے ساتھ سلام نہ پھیرے بلکہ نماز کی تکمیل کے لئے کھڑا ہو جائے اگر نمازی پہلی یا دوسری رکعت میں شامل نہ ہو سکا ہو تو ایسی صورت میں جو رکعت یا رکعتیں وہ پڑھے گا اس میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ بھی قرآن کریم کا ایک حصّہ پڑھنا ضروری ہے جو کم و بیش تین آیات کے برابر ہو۔ اس کے لئے یہ رکعتیں ابتدائی ہوں گی۔

۱۷ - اگر کوئی شخص وضو ٹوٹ جانے کی وجہ سے باجماعت نماز سے الگ ہوا اور وضو کرنے کے بعد دوبارہ جماعت میں شامل ہو جائے تو جتنی رکعتیں رہ گئی ہیں وہ پوری کرے۔ اگر کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہے اور نماز پڑھتے پڑھتے وضو ٹوٹ جائے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وضو کرکے وہیں سے نماز شروع کرے جہاں چھوڑی تھی بشرطیکہ کسی سے بات نہ کی ہو۔ بات کرنے کی صورت میں شروع سے نماز پڑھنی ہوگی۔

۱۸ ۔ جو شخص رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہو اس کی یہ رکعت ہو گئی رکوع کے بعد شامل ہونے والے کی وہ رکعت نہیں ہوتی ۔ جب نماز کھڑی ہو جائے تو اس خیال سے جماعت میں شامل ہونے سے رُکے رہنا کہ رکوع میں شامل ہو جائیں گے درست نہیں جب نماز ہو رہی ہو تو فوراً اس میں شامل ہونا ضروری ہے ۔

۱۹ ۔ نماز میں شامل ہونے کے لئے بھاگ کر جانا درست نہیں ۔

۲۰ ۔ اگر کسی شخص نے پہلے وقت کی نماز نہ پڑھی ہو اور دوسرے وقت کی نماز کھڑی ہو گئی ہو ایسی صورت میں اسے پہلے وقت کی نماز پہلے پڑھنی چاہیئے ۔ اگر دوسرے وقت کی نماز کا وقت اس قدر تنگ ہو گیا ہو کہ اگر پہلی پڑھے تو دوسری کا وقت گذر جائے گا تو ایسی صورت میں بعد والی نماز پہلے ادا کرے اور جو پہلی اس کے ذمہ تھی اس کو پیچھے ڈال دے ۔

۲۱ ۔ اگر کسی وقت امام دو نمازوں کو جمع کرے اور نمازی کو علم نہ ہو کہ کونسی ہے اور وہ جماعت میں شامل ہو جائے تو اس کی وہ نماز ہو گی جو امام کی تھی ۔ اور دوسری نماز بعد میں پڑھے مثلاً اگر امام عصر کی نماز پڑھ رہا تھا اور نمازی اُسے ظہر سمجھ کر اس میں شریک ہوا تو وہ اس کی بھی عصر کی نماز ہو گی اور ظہر کی قضاء وہ بعد میں ادا کرے گا ۔ لیکن اگر نمازی کو علم ہو جائے کہ امام عصر پڑھ رہا ہے تو اُسے ظہر بہر حال پہلے پڑھنی چاہیئے ۔ اور

پھر بعد میں عصر میں شریک ہو۔

۲۲۔ اگر کوئی مقتدی سنتیں پڑھ رہا ہو اور اس اثناء میں نماز کھڑی ہو جائے تو اس کو چاہیئے کہ فوراً سلام پھیر کر نماز با جماعت میں شامل ہو جائے۔ اور سنتیں بعد میں پڑھ لے۔

۲۳۔ اگر امام چار رکعت پڑھا رہا ہو اور وہ درمیانی تشہد بھول کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونے لگے۔ تو اگر اس کے گھٹنے سیدھے نہیں ہوئے تو وہ تشہد میں بیٹھ جائے سجدہ سہو کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر وہ تیسری رکعت کے لئے پورا کھڑا ہو گیا ہے تو تشہد کے لئے نہ بیٹھے۔ بلکہ تیسری رکعت پڑھے اور آخر میں سجدہ سہو کرے۔ جو شخص دو رکعت پڑھ رہا تھا بھول کر تیسری کے لئے کھڑا ہو گیا اور بعد میں اُسے یاد آ گیا کہ وہ نماز پوری کر چکا ہے تو وہ اسی وقت بیٹھ جائے اور تشہد پڑھے اور اپنی نماز پوری کرے۔ لیکن اگر اس نے تیسری رکعت کا رکوع کر لیا اور پھر یاد آیا۔ تو وہ فوراً تشہد کے لئے بیٹھ جائے اور آخر میں سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے۔

۲۴۔ رکوع یا سجدہ کی حالت میں قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھنا منع ہے۔

۲۵۔ مومن کا امام متقی مومن ہی ہو سکتا ہے۔ حدیث امامکم منکم اسی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"خدائے تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفّر اور مکذّب یا متردّد کے پیچھے نماز پڑھو بلکہ چاہیئے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔"

۲۶۔ نماز کا امام وہ ہونا چاہیئے جسے قرآن کریم زیادہ حفظ ہو۔ اگر اس میں کئی لوگ برابر ہوں تو وہ ہو جو زیادہ عالم اور فقیہہ ہو۔ اگر اس میں بھی کئی برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو وہ امام ہو۔ اگر دوسری مسجد میں جائے جہاں پہلے سے امام مقرر ہے تو وہاں وہی امام ہوگا۔ سوائے اس کے کہ وہ دوسرے کو امامت کی اجازت دے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کے مکان پر ملنے جائے تو مالک مکان امام ہوگا۔ سوائے اس کے کہ وہ دوسرے کو اجازت دے۔ قرآن کریم کے حفظ کے لحاظ سے نابالغ بھی امام ہو سکتا ہے۔

۲۷۔ امام اور مقتدی ایک ہی سطح پر ہونے چاہئیں لیکن اگر جگہ نہ ہو۔ تو مقتدی امام سے اونچی یا نیچی جگہ پر کھڑے ہو سکتے ہیں بشرطیکہ کچھ مقتدی امام کے ساتھ برابر کی سطح میں موجود ہوں۔

۲۸۔ مرد عورتوں کا امام ہو سکتا ہے خواہ مقتدی صرف عورتیں ہوں یا مرد اور عورتیں ملے جلے۔ عورت مردوں کی امام نہیں ہو سکتی۔ البتہ عورتوں کی امام ہو سکتی ہے جب مرد امام ہو اور مقتدی

صرف ایک عورت ہو تو وہ اکیلی پیچھے کھڑی ہوگی۔ اگر مقتدی امام کی بیوی یا محرم ہو یعنی بہن، بیٹی وغیرہ تو وہ مَرد کے ساتھ کھڑی ہو سکتی ہے۔

۲۹۔ اگر امام مسافر ہو تو وہ دوگانہ پڑھے گا اور جو مقتدی مقیم ہیں۔ وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی نماز مکمل کریں گے۔

۳۰۔ اگر امام کھڑے ہونے سے معذور ہو تو وہ بیٹھ کر بھی نماز پڑھا سکتا ہے لیکن مقتدی اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔

۳۱۔ اگر امام کا نماز پڑھاتے وقت وضو ٹوٹ جائے تو وہ مقتدیوں میں سے کسی کو امام بنائے اور آپ الگ ہو جائے۔

۳۲۔ کوئی مقتدی امام سے آگے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا۔

۳۳۔ نماز میں مسنون دعاؤں کے علاوہ اپنی زبان میں بھی دعائیں کرنی چاہئیں اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں :۔

"نماز کے اندر اپنی زبان میں دُعا مانگنی چاہیئے کیونکہ اپنی زبان میں دُعا مانگنے سے پورا جوش پیدا ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔

نماز کے اندر ہر موقعہ پر دُعا کی جا سکتی ہے۔ رکوع میں، بعد تسبیح، سجدہ میں بعد تسبیح، التحیات کے بعد، کھڑے ہو کر، رکوع کے بعد بہت دعائیں کرو۔ تا کہ مالا مال ہو جاؤ۔"

(ملفوظات جلد نہم ص۵۵)

۳۴۔ ایک وقت کی نماز بھی اگر جان بوجھ کر ترک کی جائے تو یہ کفر کی حالت

کو پہنچا دیتی ہے۔ اس کے لئے بہت توبہ اور استغفار کرنی چاہیئے۔ اگر کسی بھول کی وجہ سے کوئی نماز رہ جائے تو قضا ادا کرے اور استغفار و توبہ لازم ہے۔

نمازِ جمعہ

۱۔ نماز جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کی نماز کا ہے لیکن کسی ضرورت کی وجہ سے امامِ وقت کی اجازت سے سورج ڈھلنے سے پہلے بھی جمعہ پڑھا جا سکتا ہے۔

۲۔ جمعہ کی نماز سب مسلمان مردوں پر جو مقیم ہوں فرض ہے۔ جمعہ عورتوں پر واجب نہیں۔ البتہ اگر فتنہ کا ڈر نہ ہو اور پردہ کا انتظام ہو تو عورتیں بھی جمعہ پڑھ سکتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جب مستثنیٰ کر دیا ہے، تو پھر یہ حکم صرف مردوں کے لئے ہی رہا۔"

(ملفوظات جلد ششم صفحہ ۱۲۹)

مسافر پر جمعہ واجب نہیں۔ سفر میں ہوں تو خواہ جمعہ پڑھیں خواہ ظہر پڑھیں۔

۳۔ اگر کسی جگہ تین مرد ہوں تو ضرور جمعہ پڑھیں۔ اگر تین کی تعداد پوری نہ ہو تو عورتوں کو شامل کر لیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا کہ دو۲ احمدی کسی گاؤں میں ہوں تو وہ بھی جمعہ پڑھ لیا کریں یا نہ۔ حضور ؑ نے فرمایا :۔

" ہاں پڑھ لیا کریں۔ فقہاء نے تین آدمی لکھے ہیں۔ اگر کوئی اکیلا ہو تو وہ اپنی بیوی وغیرہ کو پیچھے کھڑا کر کے تعداد پوری کر سکتا ہے۔"

(ملفوظات جلد نہم صفحہ ۲۱۴)

۴۔ جمعہ کی دو۲ آذانیں ہوتی ہیں۔ ایک شروع وقت میں اور دوسری اس وقت جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہو۔

۵۔ جب جمعہ کی آذان ہو جائے۔ تو سب کاروبار بند کر کے مسجد کی طرف چلے جانا چاہیئے۔ اس بارہ میں قرآن کریم کا حکم بہت واضح ہے۔

۶۔ نماز جمعہ کے دو۲ حصے ہیں ایک خطبہ اور ایک باجماعت نماز۔ خطبہ پہلے ہوتا ہے اس کے بعد دو۲ رکعت فرض پڑھے جاتے ہیں۔ خطبہ کے بغیر نماز جمعہ نہیں ہوتی۔

۷۔ فرض سے پہلے چار سنتیں پڑھے بشرطیکہ خطبہ شروع نہ ہوا ہو۔ جب خطبہ شروع ہو جائے تو صرف دو۲ سنتیں جلدی جلدی پڑھے لیکن اسے عادت نہ بنائے اور فرض کے بعد دو یا چار سنتیں پڑھے۔

۸۔ خطبہ پوری توجہ سے سُنا جائے اور بالکل باتیں نہ کی جائیں۔ کسی کو باتوں سے روکنا ہو تو اشارہ سے روکا جا سکتا ہے۔ خطبہ کے وقت تنکوں سے کھیلنا بھی ممنوع ہے۔

۹ - جمعہ کے روز غسل کرنے کی خاص تاکید کی گئی ہے ۔ غسل کے بعد انسان اچھے صاف ستھرے کپڑے پہنے اور میسّر ہو تو خوشبو لگائے ۔

۱۰ - امام جب مسجد میں آئے تو اذان کا حکم دے ۔ اور خطبہ کھڑے ہو کر پڑھے ۔

نمازِ قصر

۱ - سفر کی حالت میں نمازیں قصر کرنی چاہئیں ۔ جو فرض نماز چار رکعت والی ہو اس کو دو پڑھے جو فرض نماز دو یا تین رکعت کی ہے وہ پوری ادا کرے اور پہلی سنتیں ضروری نہیں البتہ صبح کی دو سنتیں اور عشاء کے تین وتر ضرور پڑھے ۔

۲ - حضرت مسیح موعود علیہ السّلام سے عرض کیا گیا کہ انسانوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں ۔ بعض تو دس کوس کو بھی سفر نہیں سمجھتے بعض کے لئے تین چار کوس بھی سفر ہے ۔ حضورؑ نے فرمایا :-

"شریعت نے ان باتوں کا اعتبار نہیں کیا ۔ صحابہ کرامؓ نے تین کوس کو بھی سفر سمجھا ہے ۔"

عرض کیا گیا ۔ حضورؑ بٹالہ جاتے ہیں تو قصر فرماتے ہیں ؟ (بٹالہ قادیان سے گیارہ میل ہے) فرمایا :-

"ہاں کیونکہ وہ سفر ہے ۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی طبیب یا

حاکم بطور دَورہ کئی گاؤں میں پھرتا ہے تو وہ اپنے تمام سفر کو جمع کرکے اسے سفر نہیں کہہ سکتا۔"

(ملفوظات جلد دہم صنا)

۳۔ اگر کسی جگہ پندرہ روز قیام کرنے کا ارادہ ہو تو قصر نہ کرے۔ اور اگر کوئی ارادہ نہیں تو پھر قصر کرتا رہے۔

نمازِ جمع

سفر کی حالت میں یا بارش کے وقت یا کسی اور مجبوری کے وقت یا کسی دینی اجتماع کی خاطر نمازیں جمع کی جاسکتی ہیں یعنی ظہر اور عصر اور مغرب وعشاء۔ نمازیں جمع کرنے کی صورت میں سنتیں معاف ہیں۔

میّت کے احکام اور نمازِ جنازہ

۱۔ جب کوئی شخص فوت ہونے لگے تو اُس کے پاس سُورۃ یٰسین پڑھی جائے، ذکرِ الٰہی کیا جائے، کلمہ طیّبہ کا وِرد کیا جائے اور جب وہ فوت ہوجائے اور اس کی آنکھیں یا مُنہ کھلا ہو تو انہیں فوراً بند کردینا چاہیئے۔ اور پاؤں سیدھے کردینے چاہئیں۔

۲۔ میّت کو غسل دیا جائے۔ غسل کے پانی میں بیری کے پتّے اُبال لینا بہتر ہے۔ یا کوئی جراثیم کُش دَوا ملائی جائے۔ کیونکہ بظاہر بیری کے

تیّوں کی یہی حکمت معلوم ہوتی ہے۔ غسل کرانے والا پہلے وضو کی جگہوں کو دھو دے، پھر داہنے پہلو کو، پھر سارے بدن کو۔ عورت کے بال گندھے ہوئے نہ رہیں انہیں کھول دیا جائے۔

۳۔ غسل کے بعد میّت کو کفن پہنایا جائے۔ کفن میں مرد کے لئے تین کپڑے ہیں۔ ایک کُرتہ، ایک تہہ بند اور ایک چادر۔ عورت کیلئے ان کے علاوہ سینہ بند اور کمر بند ہے۔ یہ کپڑے سلے ہوئے نہیں ہونے چاہئیں۔ کُرتے سے مراد ایسا کپڑا ہے جو اُوپر نیچے گھٹنوں تک آجائے۔ اس کو درمیان میں سے گریبان کی طرح چیر دیا جائے تاکہ سر گذر سکے۔ اگر پُورا کفن میسّر نہ ہو تو ایک چادر یا کمبل میں لپیٹ کر دفن کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ فوت ہونے کے بعد کفن دفن میں جلدی کرنی چاہیئے تاکہ نعش خراب نہ ہو۔

۵۔ کفن پہنانے کے بعد میّت کو ایسی جگہ لے جایا جائے جہاں نمازِ جنازہ ادا ہو سکے۔ یہ نماز مسجد کے باہر ہونی چاہیئے۔ حسب ضرورت مسجد میں بھی جائز ہے۔ لیکن نعش مسجد میں نہ لانی چاہیئے۔ محراب کے باہر امام کے سامنے رکھی جا سکتی ہے۔

۶۔ **نمازِ جنازہ کی ترکیب:۔**

امام میّت کو سامنے رکھ کر نماز پڑھائے۔ مقتدی ایک یا تین یا پانچ غرض طاق صفوں میں کھڑے ہوں۔ اس نماز میں رکوع اور

سجدہ نہیں۔ صرف چار تکبیریں ہوتی ہیں۔ ہاتھ اُٹھا کر پہلی تکبیر کہے۔ پھر ثناء تعوّذ و تسمیہ پڑھ کر سورۃ فاتحہ پڑھے۔ دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھے۔ تیسری تکبیر کے بعد ذیل کی دُعا پڑھے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے۔

۷۔ دُعا نمازِ جنازہ :۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَ غَائِبِنَا وَ صَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَ اُنْثَانَا۔ اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ ۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ ۔

اے اللہ بخش دے ہمارے زندوں کو اور مُردوں کو اور ان کو جو حاضر ہیں اور جو حاضر نہیں اور ہمارے چھوٹوں کو اور بڑوں کو اور ہمارے مَردوں کو اور عورتوں کو۔ اے اللہ جس کو تو ہم میں سے زندہ رکھے اس کو اسلام پر زندہ رکھ اور جس کو تو ہم میں سے وفات دے اس کو ایمان کے ساتھ وفات دے۔ اے اللہ! اس کے اجر سے ہم کو محروم نہ رکھ اور اس کے بعد ہم کو کسی فتنہ میں نہ ڈال۔

نابالغ کے لئے دُعا :۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا سَلَفًا وَّ فَرَطًا وَّ ذُخْرًا وَّ اَجْرًا ۔

اے اللہ اس کو ہمارے فائدہ کے لئے پہلے جانے والا بنا۔ اور ہمارے آرام کا ذریعہ بنا اور سامانِ خیر بنا اور آرام کا موجب بنا۔

اگر میّت نابالغ لڑکی کی ہو تو اس طرح دُعا کرے :۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا لَنَا سَلَفًا وَّ فَرَطًا وَّ ذُخْرًا وَّ اَجْرًا۔

۸۔ اگر میّت سامنے نہ ہو یعنی مرنے والا کسی دوسری جگہ فوت ہو گیا ہو تو حسبِ ضرورت نمازِ جنازہ غائب پڑھی جا سکتی ہے ۔

۹۔ ایک ہی نیّت میں کئی میّت کی نماز جنازہ پڑھنا بھی جائز ہے ۔

۱۰۔ ایسا شخص جو وبائی مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہو گیا ہو اور دوسروں کے بیمار ہونے کا خطرہ ہو تو اس کو اپنے کپڑوں میں بغیر غسل دفن کرنا جائز ہے۔ اسی طرح شہید کو بھی بغیر غسل اور کفن دفن کرنا چاہیئے ۔ تاہم اگر موقع ہو تو نمازِ جنازہ پڑھی جائے ۔

۱۱۔ قبر کشادہ اور گہری بنائی جائے ۔ میّت کو بغیر صندوق کے قبر میں لحد بنا کر دفنانا بہتر ہے تاہم حفاظت کی غرض سے یا امانتاً صندوق میں بند کر کے دفن کرنا جائز ہے ۔ تابوت (صندوق) کی لمبائی سوا چھ فٹ ۔ چوڑائی پونے دو فٹ ۔ درمیان میں اونچائی ڈیڑھ فٹ ۔ کناروں پر اونچائی ایک فٹ ۔

صندوق کو رکھنے کے لئے قبر کی لمبائی سات فٹ ۔ چوڑائی ڈھائی فٹ اور گہرائی عموماً ساڑھے تین فٹ رکھی جاتی ہے ۔

۱۲ ۔ میّت کو دفن کرنے کے بعد میّت کے لئے اور اس کے پسماندگان کے لئے دُعا کی جائے ۔

۱۳ ۔ نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے یعنی ایک مسلمان کے مرنے پر سب مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھیں ۔ اگر کچھ لوگ نمازِ جنازہ پڑھ لیں تو وہ سب کی طرف سے کافی ہو جاتی ہے ۔ لیکن اگر کوئی نہ پڑھے تو سب گنہگار رہوں گے ۔

۱۴ ۔ جنازہ ہر ایک مسلمان کا پڑھنا چاہیئے ۔ خواہ مرد ہو یا عورت ، بچہ ہو یا بڑا ۔ جو بچہ ماں کے پیٹ سے زندہ پیدا ہوا اس کا جنازہ پڑھا جائے ۔

۱۵ ۔ جو شخص جنازہ کے ساتھ نمازِ جنازہ تک رہے اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک ساتھ رہے اسے ۲ قیراط ثواب ملتا ہے ۔

۱۶ ۔ میّت کو بوسہ دینا جائز ہے لیکن رونا پیٹنا اور نوحہ کرنا جائز نہیں ۔

روزہ کے احکام

۱ ۔ ماہِ رمضان کے روزے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر بالغ مومن مرد و عورت پر فرض کئے گئے ہیں ۔ ایک دن کا روزہ بھی عمداً بلا کسی شرعی عذر کے ترک کرنا بڑا گناہ ہے جس کی تلافی عمر بھر روزے رکھ کر بھی نہیں ہو سکتی ۔ جب تک کہ ندامت کا احساس اور توبہ و استغفار نہ ہو ۔

۲ - جو شخص مسافر ہو یا بیمار ہو اس کے لئے رخصت ہے وہ دوسرے دنوں میں روزے پورے کرے جو دائم المریض ہو یا بہت بوڑھا اور ضعیف ہو گیا ہو اس پر روزہ فرض نہیں وہ بطور فدیہ ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کرے ۔

۳ - جو عورت حاملہ ہو یا بچے کو دودھ پلاتی ہو اس پر روزہ فرض نہیں وہ بطور فدیہ ایک مسکین کو ہر روز کھانا کھلائے ۔

۴ - بھولے سے اگر کوئی چیز کھالی جائے یا پی لی جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن اگر عمداً بلا شرعی عذر مثلاً بیماری یا سفر روزہ توڑ دیا جائے تو ایسے شخص کا کفارہ یہ ہے کہ وہ ساٹھ دن مسلسل روزے رکھے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ۔

۵ - روزہ کا وقت صبح صادق سے شروع ہو کر غروب آفتاب تک ہوتا ہے ۔

۶ - اگر کسی شخص کو سحری کے وقت کھانا کھانے کا موقعہ نہیں ملا تو وہ اس عذر کی وجہ سے روزہ نہیں چھوڑ سکتا۔ سحری کا کھانا روزہ کے لئے شرط نہیں ہے ۔

۷ - مرض اور سفر کی حد شریعت نے مقرر نہیں کی اس کا انحصار ہر شخص کی حالت پر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے تعامل سے سفر کی حد گیارہ میل معلوم ہوتی ہے اور مرض کی حد یہ ہے کہ جس سے سارے بدن میں تکلیف ہو۔ یا کسی ایسے عضو میں تکلیف ہو

جس سے سارا جسم بے قرار ہو جائے۔ جیسے بخار یا آنکھ کا درد۔
ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ روزہ دار
کی آنکھ میں تکلیف ہو تو دوائی ڈالنا جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا:۔

"یہ سوال ہی غلط ہے۔ بیمار کے واسطے روزہ رکھنے
کا حکم نہیں۔"

۸۔ جو شخص سفر یا بیماری میں روزہ رکھتا ہے وہ بھی خُدا کے حکم
کی نافرمانی کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"مریض اور مسافر اگر روزہ رکھیں گے تو ان پر حکم عدولی
کا فتویٰ لازم آئے گا۔"

۹۔ جو شخص صحت کی حالت میں ہے لیکن اسے خوف ہے۔ کہ اگر میں
روزہ رکھوں گا تو بیمار ہو جاؤں گا تو ایسا خوف محض نفس کا
دھوکا ہے اور ہرگز شرعی عذر نہیں۔ ہاں اگر طبیب کہتا ہے
کہ روزہ نہ رکھو تو وہ بیمار کے حکم میں ہے۔

۱۰۔ جس شخص کا سفر ملازمت کے فرائض میں داخل ہے یا روزی
کمانے کے لئے ہے جیسے ریلوے کے ملازم یا گاڑی کے ڈرائیور
یا پھیری والے ان سب کو روزہ رکھنا چاہیئے۔ ان کا سفر سفر
نہیں بلکہ معمول کی حالت ہے۔

۱۱۔ جو لوگ مزدور پیشہ یا زمیندار پیشہ ہیں اور رمضان میں انہیں
ایسی مشقت کا کام پڑ جائے کہ اگر چھوڑیں تو ۶ ماہ کی فصل ضائع

ہوجائے اور اگر کام کریں تو روزہ نہ رکھ سکیں تو وہ مجبور کے حکم میں ہیں۔ مزدور پیشہ کو چاہیئے کہ وہ باقی سال کے گیارہ مہینہ اس قدر محنت کرے کہ رمضان میں آرام کرسکے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ایسے کاشت کاروں اور مزدوروں کے بارے میں جن کا گذارہ مزدوری پر ہے اور روزہ ان سے نہیں رکھا جاتا۔ فرمایا:۔

"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات۔ یہ لوگ اپنی حالتوں کو مخفی رکھتے ہیں۔ ہر شخص تقویٰ وطہارت سے اپنی حالت سوچ لے۔ اگر کوئی اپنی جگہ مزدوری پر رکھ سکتا ہے تو ایسا کرے ورنہ مریض کے حکم میں ہے۔ پھر جب میسّر ہو رکھ لے۔" (ملفوظات جلد نہم صفحہ ۳۹۴)

۱۲۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام سے سوال کیا گیا کہ روزہ دار آنکھ میں سُرمہ ڈالے یا نہ ڈالے۔ فرمایا:۔

"مکروہ ہے اور ایسی ضرورت ہی کیا ہے کہ دن کے وقت سُرمہ لگائے۔ رات سُرمہ لگا سکتا ہے۔"

(ملفوظات جلد نہم صفحہ ۱۷۳)

۱۳۔ رمضان کی ابتداء چاند دیکھنے سے ہوتی ہے۔ اگر مطلع صاف نہ ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کریں اور پھر روزے شروع کریں۔ چاند کے دیکھے جانے کے بارے میں اگر یقینی اطلاع دوسری جگہ

سے مل جائے تو اس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔ اسی طرح چاند دیکھ کر ہی رمضان کا اختتام ہوتا ہے۔ اور اگر مطلع ابر آلود ہو تو رمضان کے تیس دن پورے کرے۔ سوائے اس کے کہ دوسری جگہ سے یقینی اطلاع موصول ہو جائے۔

۱۴۔ قادیان اور ربوہ ہر احمدی کے لئے وطنِ ثانی کا حکم رکھتا ہے لیکن وطنِ ثانی کی طرف سفر بھی سفر ہی ہے۔ اس لئے سفر میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے افطاری کے وقت سے پہلے قادیان آنے والے روزہ داروں کا روزہ کھلوا دیا تھا۔ اس تعامل سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر روزہ رکھنے کے بعد سفر پیش آ جائے تو ایسی صورت میں روزہ کھول دینا چاہیئے۔ مرکز میں پہنچنے کے بعد دوسرے دن اگر کوئی چاہے تو روزہ رکھ سکتا ہے۔

۱۵۔ بچوں کو روزہ نہیں رکھنے دینا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے ذہنی اور جسمانی ارتقاء پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ ہاں جب بچے کافی بڑے ہو جائیں تو بلوغت سے قبل معتدل موسم میں ایک دو روزے رکھنے میں مضائقہ نہیں۔

۱۶۔ روزوں کی دوسری قسم وہ ہے جو نفلی کہلاتے ہیں۔ مثلاً ماہ شوال کے شروع میں چھ، ہر ماہ چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو، پیر اور جمعرات کے دن۔ عرفہ کے دن یعنی ماہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو،

اسی طرح عاشورہ کا روزہ بھی مسنون ہے۔

۱۷۔ رمضان کے ایام میں عشاء کی نماز کے بعد تراویح پڑھی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام سے سوال کیا کہ رمضان میں تراویح آٹھ رکعت باجماعت مسجد میں پڑھنی چاہیئے یا اگر پچھلی رات کو اُٹھ کر اکیلے گھر میں پڑھنی چاہیئے۔ حضور نے فرمایا :-

"نماز تراویح کوئی جُدا نماز نہیں۔ دراصل نمازِ تہجّد کی آٹھ رکعت کو اوّل وقت میں پڑھنے کا نام تراویح ہے اور یہ ہر دو صورتیں جائز ہیں جو سوال میں بیان کی گئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہر دو طرح پڑھی ہے لیکن اکثر عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر تھا کہ آپ پچھلی رات کو گھر میں اکیلے یہ نماز پڑھتے تھے۔"

(ملفوظات جلد دہم ص۱)

۱۸۔ روزہ کی حالت میں مسواک کرنا۔ تر کپڑا اوپر لینا۔ بدن کو تیل لگانا۔ خوشبو سُونگھنا یا لگانا۔ تھوک نگلنا جائز ہے۔

مسائلِ زکوٰۃ

۱۔ زکوٰۃ اسلام کے ارکان میں سے چوتھا رکن ہے اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں اکثر جگہ نماز کے ساتھ ہی زکوٰۃ کی

ادائیگی کا ذکر کیا ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کے تارک ایک ہی حکم میں ہیں ۔

۲ ۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال میں کمی نہیں آتی ۔ بلکہ وہ بڑھتا ہے جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ اس سے مال کم ہوتا ہے وہ نفس کے دھوکے میں مبتلا ہے ۔ خدائے تعالیٰ تو قرآن کریم میں فرماتا ہے :۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۔ (الروم آیت : ۳۹)

جو زکوٰۃ تم محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے دو گے ۔ تو ایسے طور پر دینے والے (اپنے مالوں کو کم نہیں کرتے بلکہ) بڑھاتے ہیں ۔

۳ ۔ جب امامِ وقت موجود ہو تو زکوٰۃ اسی کے پاس آنی چاہیئے وہی بہتر جانتا ہے ۔ کہ اسے کس طرح خرچ کرے ۔

۴ ۔ چندہ الگ چیز ہے اور زکوٰۃ الگ ہے ۔ جو شخص وصیت ادا کرتا ہے یا دوسرے طوعی چندے ادا کرتا ہے وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا ۔

۵ ۔ مندرجہ ذیل مالوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے :۔

چاندی ، سونا ، سکّے ، اونٹ ، گائے ، بھینس ، بکری ، بھیڑ ، دنبہ (نر و مادہ) تمام غلّے ، کھجور ، انگور ۔

۶ ۔ جن مالوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ۔ ان میں سے ہر ایک کیلئے شریعت نے ایک حد مقرر کی ہے جو مال اس مقدار کے برابر یا اس سے زیادہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ۔ اس حد اور مقدار کو نصاب کہتے ہیں ۔

۷ ۔ غلوں۔ کھجوروں ، انگوروں پر اسی وقت زکوٰۃ یا عشر واجب ہوتی ہے
جب ان کی فصل تیار ہو جائے اور مالک انہیں کاٹ لے لیکن باقی مال پہ
زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب وہ مالک کے پاس ایک سال رہا ہو۔
غلوں۔ کھجوروں اور انگوروں پہ زکوٰۃ صرف ایک دفعہ واجب ہے خواہ
وہ ایک سال سے زائد عرصہ رہیں لیکن باقی اموال پہ ہر سال واجب
ہوتی ہے بشرطیکہ ان کی مقدار نصاب سے کم نہ ہو ۔

۹ ۔ غلہ کا نصاب ۲۱ من ۵ سیر (۷۸۱ کلو ۸۷۰ گرام) ہے ۔ اس سے کم ہو
تو زکوٰۃ واجب نہیں ۔ جس کھیت کے لئے پانی قیمت ادا کرکے نہ لیا گیا
ہو گویا بارانی زمین ہو تو اسکی شرح زکوٰۃ دسواں حصّہ ہے لیکن جس کیلئے
قیمت ادا کرکے پانی مہیا کیا گیا ہو مثلاً زمیندار خود نہر کھینچ کر لایا ہو یا
ٹیوب ویل لگوا کر زمین سیراب کرے تو اسکی شرح بیسواں حصّہ ہے ۔

۱۰ ۔ چاندی کا نصاب ۵۲ تولہ ۶ ماشہ (۶۱۲ گرام ۳۵۱ ملی گرام) ہے ۔ اور زکوٰۃ
کی شرح چالیسواں حصّہ ہے ۔ یعنی ۵۲ تولہ ۶ ماشہ پہ زکوٰۃ کی مقدار
ایک تولہ تین ماشہ چھ رتی (۱۵ گرام ۳۱ ملی گرام) بنتی ہے ۔ یہی حکم
چاندی کے زیور کا ہے ۔

۱۱ ۔ سونے کا نصاب چاندی کے نصاب کے تابع ہے اور زکوٰۃ کی شرح
اس صورت میں بھی چالیسواں حصّہ ہے سونے چاندی کے زیورات پہ
وزن کے لحاظ سے زکوٰۃ ہوگی نہ کہ ان کی بنوائی وغیرہ کے لحاظ سے ۔

۱۲ ۔ سونے اور چاندی کے وہ زیور جو عام طور پہ استعمال میں رہتے ہیں اور

غرباء کو بھی عاریتاً دیئے جاتے ہوں ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ۔ سونے کے ایسے زیورات کا اندازہ آٹھ تولے تک ہے اور اسی بناء پر بعض فقہاء نے سونے کا نصاب ۸ تولے ۴ ماشہ (۹۷ گرام ۲۰۰ ملی گرام) مقرر کیا ہے لیکن یہ نصاب نہیں بلکہ استعمال کے زیور کے لحاظ سے چھوٹ ہے ۔

۱۳ ۔ سکّے خواہ وہ کسی دھات کے ہوں یا کاغذ کے ہوں ان کا نصاب چاندی کے مطابق ہوگا یعنی جس شخص کے پاس اس قدر روپے یا پونڈ، ڈالر یا کرنسی نوٹ ہوں جن کی قیمت ۵۲ تولہ ۶ ماشہ چاندی کے برابر ہو تو ایسا شخص صاحب نصاب سمجھا جائے گا ۔ اور اسے چالیسواں حصّہ زکوٰۃ دینی ہوگی ۔ یعنی ڈھائی فی صدی ۔

۱۴ ۔ اونٹوں کا نصاب ۵ راس (یا عدد) ہے ۔ اگر ۵ سے کم اونٹ ہوں تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی ۔ گائیوں اور بھینسوں کا نصاب تیس راس ہے ۔ بکری، بھیڑ اور دُنبہ کا چالیس راس ہے ۔

۱۵ ۔ جس زمین کا گورنمنٹ لگان لیتی ہو اس کی پیداوار پر زکوٰۃ واجب نہیں ۔

۱۶ ۔ اگر کاشت کار کے پاس زمین اجارہ کے طور پر ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی اس کے ذمہ ہوگی ۔ اگر اس نے زمین بٹائی پر لی ہو تو زکوٰۃ مشترکہ طور پر واجب ہوگی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد باقی غلّہ مالک اور کاشت کار کے درمیان تقسیم ہوگا ۔

حج کے مسائل

۱۔ حج تمام عمر میں ایک دفعہ فرض ہے۔

۲۔ حج اس شخص پر فرض ہے جو تندرست[1] ہو اور اخراجات[2] سفر برداشت کر سکتا ہو۔ اور اپنے گھر والوں کے لئے مناسب انتظام کر سکتا ہو۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ سواری[3] میسر ہو اور راستہ میں امن[4] ہو۔ اگر مندرجہ بالا چار شرائط میں سے کوئی پوری نہ ہو تو حج فرض نہیں رہتا۔

۳۔ اگر کوئی شخص خود حج نہ کر سکتا ہو لیکن شوق حج میں اور حصول ثواب کے لئے نفلی طور پر کسی اور شخص سے حج کروانا چاہے تو جائز ہے اسے حِج بدل کہا جاتا ہے۔

۴۔ حج کے لئے وقت مقرر ہے۔ یعنی مقررہ ایام میں ہی حج ہو سکتا ہے لیکن عمرہ سال کے دوران کسی وقت بھی کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ حج کے تین ماہ ہیں۔ شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ یعنی ان مہینوں میں حج کا احرام باندھنا ہو گا۔

باب دوم
ارشاداتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم

چند منتخبہ احادیث

۱۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَالْاَمِیْرُ رَاعٍ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَالْمَرْأَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ زَوْجِھَا وَوَلَدِہٖ فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ۔

(بخاری و مسلم)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اے لوگو! تم سب (اپنے اپنے دائرہ میں) کسی نہ کسی رنگ میں نگران اور حاکم ہو۔ اور ہر شخص سے اس کے دائرہ حکومت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ افسر بھی نگران ہے (اس سے اپنے ماتحتوں کے متعلق پوچھا جائے گا) اور مرد اپنے اہل بیت پر نگران ہے اور عورت اپنے خاوند کے گھر بار اور اس کے بچوں پر نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیّت

کے بارے میں جواب طلبی ہوگی ۔

۲ ۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِیَارُكُمْ خِیَارُكُمْ لِنِسَآئِهِمْ ۔

(جامع الترمذی)

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مومنوں میں سے ایمان میں زیادہ کامل وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں۔ اور پھر اے مسلمانو! تم میں سے زیادہ اچھے وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ سلوک کرنے میں زیادہ اچھے ہیں ۔

۳ ۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ حَقٌّ بِهَا ۔

(ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے۔ جہاں بھی اسے پائے وہ اس کا حقدار ہے ۔

۴ ۔ عَنْ حُذَیْفَةَ رضؓ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ قَالَ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ أَمُوْتُ وَأَحْيَا وَإِذَا اسْتَيْقَظَ مِنْ مَنَامِهٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ

(بخاری)

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ کرتے تو فرماتے اے خُدا! میں تیرے نام ہی سے مرتا اور جیتا ہوں۔ اور جب آپؐ نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مرنے کے بعد ہمیں زندہ کیا اور اسی کی طرف اُٹھ کر جانا ہے۔

۵۔ عَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِّنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ أَوْ قَالَ عَلٰى كَنْزٍ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ فَقُلْتُ بَلٰى فَقَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ (مسلم)

ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا میں تجھے ایسے کلمہ کی خبر نہ دوں جو جنّت کے خزانوں میں سے ہے یا فرمایا۔ میں تجھے جنّت کے خزانوں

میں سے ایک خزانہ کی خبر نہ دوں ۔ میں نے کہا ۔ ضرور بتائیے آپؐ نے فرمایا ۔ یہ دُعا کہ بدی سے بچنے اور نیک کام کرنے کی کوئی طاقت نہیں مگر اللہ کے ساتھ ۔

۶ ۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍؓ اَنَّ رَجُلاً قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ شَرَائِعَ الْاِسْلَامِ قَدْ کَثُرَتْ عَلَیَّ فَاَخْبِرْنِیْ بِشَیْءٍ اَتَشَبَّثُ بِهٖ قَالَ لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِنْ ذِکْرِ اللّٰهِ ۔ (ترمذی)

عبداللہ بن بُسرؓ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا یا رسُول اللہ! اسلام میں شریعت کے احکام تو بہت ہیں ۔ مجھے آپ کوئی ایسی چیز بتائیں جس پر میں مضبوطی سے خاص طور پر قائم ہوں ۔ آپؐ نے فرمایا ۔ تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیئے ۔

۷ ۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَکَ الْجُمُعَةَ ثَلَاثًا مِنْ غَیْرِ ضَرُوْرَةٍ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قَلْبِهٖ ۔

(سنن ابن ماجہ)

جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ جو شخص تین جمعہ کی نماز بلا ضرورت چھوڑ دے اللہ تعالیٰ

اس کے دل پر مُہر لگا دیتا ہے ۔

۸ ۔ عَنْ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَلِکُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی ۔

(بخاری)

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہوتا ہے اور ہر انسان کو اسی کا بدلہ ملتا ہے جو اس کی نیّت ہوتی ہے ۔

۹ ۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدْعُوْ بِھٰؤُلَآءِ الْکَلِمَاتِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْکَسْلِ وَاَرْذَلِ الْعُمُرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَفِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ ۔ (بخاری)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات سے دُعا فرمایا کرتے تھے ۔ اے خُدا مَیں تیری پناہ چاہتا ہوں بخل سے اور سُستی سے اور ارذل عمر سے اور قبر کے عذاب سے اور زندگی اور موت کی آزمائش سے ۔

۱۰ ۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُجْمِعُ اُمَّتِیْ اَوْقَالَ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ عَلٰی ضَلَالَۃٍ وَیَدُ اللّٰہِ عَلٰی

الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ۔

(جامع ترمذی)

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ میری ساری امّت کو یا فرمایا امّت محمدیہ کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ کی مدد جماعت کیساتھ ہوگی جو شخص اس سے الگ ہوگا وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا ؛

نوٹ :۔ ان احادیث میں سے چند ضرور زبانی یاد ہونی چاہئیں ؛

باب سوم

اختلافی مسائل

مسئلہ وفاتِ عیسٰی علیہ السلام

پہلی دلیل:-

وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰـہَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ کُنْتُ قُلْتُہٗ فَقَدْ عَلِمْتَہٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ ؕ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَہُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِہٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ ۚ وَکُنْتُ عَلَیْہِمْ شَہِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْہِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ ۝

(المائدہ: ۱۱۷-۱۱۸)

اور جب اللہ نے کہا اے عیسٰی بن مریم! کیا تُو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنالو تو اس نے جواب دیا کہ (ہم) تجھے (تمام عیبوں سے) پاک قرار دیتے ہیں۔ میری شان کے شایان نہ تھا کہ میں وہ (بات) کہتا جس کا مجھے حق نہ تھا اور اگر میں نے ایسا کہا تھا تو تجھے ضرور اس کا علم ہوگا۔ جو کچھ میرے جی میں ہے تُو

جانتا ہے اور جو کچھ تیرے جی میں ہے میں نہیں جانتا۔ تُو یقیناً (سب) غیب کی باتوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ مَیں نے ان سے صرف وہی بات کہی تھی جسکا تُو نے مجھے حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور جب تک مَیں ان میں (موجود) رہا مَیں ان کا نگران رہا مگر جب تُو نے میری رُوح قبض کرلی (یعنی وفات دے دی) تو تُو ہی ان پر نگران تھا (مَیں نہ تھا) اور تُو ہر چیز پر نگران ہے۔

استدلال :-

اس آیت میں قَالَ اللّٰهُ کے الفاظ استعمال ہُوئے ہیں۔ جس کے معنی ہیں اللہ نے کہا۔ لیکن اس سے مُراد قیامت کا دن ہے یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عیسیٰؑ سے دریافت کرے گا۔ کہ کیا تم نے لوگوں کو یہ تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو معبُود بناؤ تو وہ جواب دیں گے کہ مَیں جب تک قوم میں موجود رہا وہ نہیں بگڑی تھی مَیں ان کا نگران تھا۔ لیکن فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ جب تُو نے مجھے وفات دے دی تو تُو اُن کا نگران تھا مجھے ان کے بگڑنے کا کوئی علم نہیں۔ عیسیٰ علیہ السّلام کا یہ جواب اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب یہ تسلیم کیا جائے کہ وہ وفات پاکر اپنی قوم سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہو گئے۔ اگر یہ مانا جائے کہ قیامت سے قبل وہ دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو پھر قیامت کے دن قوم کے بگڑنے سے ان کا لاعلمی کا اظہار جھوٹ ٹھہرتا ہے۔ جو کسی طرح ممکن نہیں۔ اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ وہ قوم کے بگڑنے سے قبل وفات پا گئے۔

اور ان کے لئے دوبارہ دنیا میں آنا کسی طرح ممکن نہیں۔
یاد رکھنا چاہیئے کہ لفظ توفّی فعل ہے۔ جب اس فاعل خُدا ہو اور مفعول۔ کوئی ذی رُوح ہو تو اس کے معنی سوائے قبض رُوح کے اور کچھ نہیں ہوتے اور قبض رُوح صرف دو طرح ہوتا ہے۔ وفات کے ذریعہ یا نیند کی حالت میں۔ جب نیند کی حالت میں قبض رُوح مراد ہو تو اس کے لئے قرینہ موجود ہوتا ہے ورنہ توفّی کے معنی ہمیشہ موت کے ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں ایک بھی ایسی مثال موجود نہیں جہاں توفّی کا لفظ ذی رُوح یعنی جاندار چیز کے لئے استعمال ہُؤا ہو اور خُدا اس فعل کا فاعل ہو تو اس کے معنی قبض رُوح کے سوا کچھ اور بھی کئے جا سکتے ہوں۔

دُوسری دلیل

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰى إِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ج۔

(آل عمران: ٥٦)

(اس وقت کو یاد کرو) جب اللہ نے کہا۔ اے عیسٰی مَیں تجھے (طبعی طور پر) وفات دوں گا اور تجھے اپنے حضور میں عزت بخشوں گا۔ اور کافروں (کے الزامات) سے تجھے پاک کروں گا اور جو تیرے پَیرو ہیں انہیں ان لوگوں پر جو مُنکر ہیں قیامت کے دن تک غالب رکھوں گا۔

استدلال :-

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عیسیٰ علیہ السّلام سے چار وعدے کئے ہیں :-

۱ - مَیں تجھے وفات دوں گا یعنی یہودی تجھے مار نہیں سکیں گے -

۲ - مَیں تجھے عزّت دوں گا - یہودی تجھے صلیب پر مار کر ذلیل نہیں کر سکتے - بائبل میں لکھا ہے جو کاٹھ پر (یعنی صلیب پر) مارا جائے وہ لعنتی ہوتا ہے - خُدا فرماتا ہے کہ یہودی اس منصوبہ میں ہرگز کامیاب نہیں ہوں گے - اور تجھے صلیب پر موت نہیں آئے گی جو تیری بے عزّتی کا موجب ہو -

۳ - مَیں تجھے یہود کے الزامات سے پاک ٹھہراؤں گا -

۴ - مَیں تیرے ماننے والوں کو انکار کرنے والوں پر قیامت تک غلبہ عطا کروں گا یعنی عیسائی ہمیشہ یہود پر غالب رہیں گے -

یہ چاروں وعدے خُدائے تعالیٰ نے اسی ترتیب سے پورے کر دیئے - پہلے وفات دی پھر انجام بخیر کر کے اپنے حضور میں ان کو عزّت بخشی اور ان کے درجات بلند کئے - یہود کے تمام الزامات سے ان کو پاک ٹھہرایا - اور ان کے ماننے والوں کو آج تک یہود پر غالب رکھا اور آئندہ بھی قیامت تک یہودی مغلوب رہیں گے -

اس آیت میں رَافِعُكَ اِلَیَّ کے یہ معنی کرنے کہ مَیں تجھے اُٹھا کر آسمان پر لے جاؤں گا - صراحتاً غلط ہیں - اوّل تو آسمان کا کہیں ذکر

ہی نہیں ۔ دوسرے اگر رفع کے معنی اٹھانے کے ہی کئے جائیں (جو اس جگہ بالکل بے جوڑ ہوں گے) تب بھی لفظی معنی صرف یہ ہوں گے کہ میں تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا ۔ اب خدا کی کوئی جہت نہیں ۔ وہ ہر طرف اور ہر جگہ ہے ۔ اُوپر کی طرف اُٹھائے جانے کی تخصیص کیوں کی جائے ۔ اگر اُوپر کی طرف اُٹھانے کے ہی معنی کئے جائیں ۔ تب بھی قرآنی محاورہ کے مطابق اس کا مطلب عزت بخشنا ہی ہوگا ۔ جیسا کہ حضرت ادریسؑ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ (مریم ۵۸)

ہم نے اسے نہایت بلند مقام تک اٹھایا تھا ۔ یعنی بڑا رتبہ عطا کیا تھا ۔ اور عزت بخشی تھی ۔ کیا یہ تسلیم کیا جائے کہ ادریس علیہ السلام بھی آسمان پر چلے گئے ؟ اس کے علاوہ قرآن کریم نے وفات کا ذکر پہلے کیا ہے ۔ اور اٹھانے کا ذکر بعد میں ۔ اگر یہ کہا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پہ اُٹھائے گئے اور وہ وہاں زندہ ہیں ۔ کسی وقت دوبارہ زمین پہ نازل ہوں گے اور پھر وفات پائیں گے تو ترتیب بدل جاتی ہے ۔ اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ جس ترتیب سے واقعات کا ذکر قرآن کریم میں ہوا ہے وہ (نعوذ باللہ) غلط ہے ۔ قرآن کریم کی ترتیب کو نہ غلط قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ بدلا جا سکتا ہے ۔ غرض رفع کے لفظ کے جو معنی بھی کئے جائیں ان سے عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ رہنا ثابت نہیں ہوتا ۔ کیونکہ وفات رفع سے پہلے ہے ۔ ہم نماز میں دعا کرتے ہیں ۔

وَارْفَعْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ ۔ اے اللہ میرا رفع کر۔ کیا اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ مجھے آسمان پر اُٹھا لے۔ ہرگز نہیں۔ اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ میرے درجات بلند کر۔ یہی معنی اس آیت میں عیسٰی علیہ السّلام کے لئے کئے جائیں گے۔

تیسری دلیل

مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط وَ اُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ ط كَانَا یَاْ كُلَانِ الطَّعَامَ ۔ (مائدہ : ۷۶)

مسیح ابن مریم صرف ایک رسُول تھا اس سے پہلے رسُول (بھی) فوت ہو چکے ہیں اور اسکی ماں راستباز تھی۔ وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔

استدلال :۔

اس آیت میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم کی حیثیت صرف ایک رسُول کی ہے اور ان سے پہلے جس قدر انبیاء آئے وہ فوت ہو گئے وہ خود بھی اور ان کی والدہ بھی کھانا کھایا کرتے۔ كَانَا یَاْ كُلَانِ الطَّعَامَ ۔ ماضی استمراری ہے یعنی جب زندہ تھے وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ لیکن اب نہیں کھاتے۔ جس طرح حضرت مریم موت کی وجہ سے اب کھانا نہیں کھاتیں اسی طرح مسیح ابن مریم بھی نہیں کھاتے۔ انبیاء کے متعلق قرآن کریم کہتا ہے وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا

لَا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ (انبیاء: ۹)۔
اور ہم نے ان رسولوں کو ایسا جسم نہیں دیا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ غیر معمولی عمر پانے والے لوگ تھے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء بغیر کھانا کھائے زندہ نہیں رہ سکتے۔ خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ مسیح ابن مریم کھانا کھایا کرتے تھے۔ صاف بتلاتا ہے کہ اب وہ کھانا نہیں کھاتے اور اب وہ زندہ نہیں ہیں۔

چوتھی دلیل

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ۔ (آل عمران: ۱۴۵)

اور محمدؐ صرف ایک رسول ہیں۔ اس سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ پس اگر وہ وفات پا جائے یا قتل کیا جائے تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے؟

استدلال:۔

اس آیت میں صاف بتلایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آنے والے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ قَدْ خَلَتْ کے لفظی معنی ہیں۔ گذر چکے ہیں اور گذرنے سے مراد اس جگہ وفات پانے کے ہی ہیں۔ کیونکہ گذرنے کی صرف دو صورتیں اس آیت میں بیان ہوئی

ہیں۔ ایک موت اور دوسرے قتل کیا جانا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ضرور ان کا استثناء کر دیا جاتا۔ پھر انہیں الفاظ میں سورۃ مائدہ آیت ۷۶، (دلیل سوم) میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے آنے والے سب انبیاء گذر چکے ہیں۔ جس طرح باقی انبیاء اس جہاں سے گذر گئے اسی طرح حضرت مسیح ابن مریم بھی اس جہان سے گذر گئے اور اب ہرگز زندہ نہیں ہیں۔

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور وہ ہرگز اس خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھائے نہیں گئے۔ انسانوں کے لئے تو خدا کا یہی قانون ہے کہ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ۝ (اعراف: ۲۶) اسی (زمین) میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی میں سے تم نکالے جاؤ گے۔ اس قانون کے ہوتے ہوئے کسی فرد بشر کا آسمان پر جانا کیسے ممکن ہے؟

اگر کوئی وجود اپنی خوبیوں اور اعلیٰ صفات اور اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے زندہ رکھے جانے کے قابل ہو سکتا تھا تو وہ ہمارے آقا سیّد و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ؎

بدنیا گر کسے پائندہ بودے ؛ ابوالقاسم محمدؐ زندہ بودے

خود خدائے تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ۔ (انبیاء: ۳۵) اور ہم

نے کسی انسان کو تجھ سے پہلے غیر طبعی عمر نہیں بخشی۔ کیا اگر تُو مر جائے تو وہ غیر طبعی عمر تک زندہ رہیں گے۔

کیسے تعجب کی بات ہے کہ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہوئے یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ وہ فوت ہو کر زمین میں مدفون ہیں لیکن مسیح ابن مریم (نعوذ باللہ) ابھی تک اس خاکی جسم کے ساتھ چوتھے آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں۔ ؎

غیرت کی جا ہے عیسیٰ زندہ ہو آسماں پر
مدفون ہو زمیں میں شاہِ جہاں ہمارا

ابنِ مریم مر گیا حق کی قسم
داخلِ جنّت ہوا وہ محترم

عَدم رجُوعِ موتےٰ

جو لوگ وفات پا جاتے ہیں یا کسی طرح مر جاتے ہیں ان کے متعلق خُدائے تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ وہ پھر اس دنیا میں واپس نہیں آتے۔ مندرجہ ذیل آیات سے اس قانون کی صراحت ہوتی ہے:۔

۱۔ وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۔

(انبیاء: ۹۶)

اور ہر ایک بستی جسے ہم نے ہلاک کیا ہے اس کے لئے یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ اس کے بسنے والے لوٹ کر اس دنیا میں نہیں آئیں گے۔

۲۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۙ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَآىٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝

(المومنون : ۱۰۰ - ۱۰۱)

اور اس وقت جب ان میں سے کسی کو موت آجائے گی وہ کہے گا۔ اے میرے رب! مجھے واپس لوٹا دے تاکہ میں اس جگہ جس کو میں چھوڑ کر آگیا ہوں (یعنی دنیا میں) مناسب حال عمل کردوں۔ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ یہ صرف ایک منہ کی بات ہے جسے وہ کہہ رہے ہیں اور ان کے پیچھے ایک پردہ ہے۔ اس دن تک کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے (پس وہ دنیا کی طرف زندہ کر کے کبھی لوٹائے نہیں جائیں گے)۔

مسئلہ ختمِ نبوّت

جماعتِ احمدیہّ کا عقیدہ

جماعتِ احمدیّہ کا اس بات پر ایمان ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم

خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ درجہ صرف آپؐ کو ہی ملا۔ آپؐ کے سوا کوئی اور وجود ایسا نہیں جو اس صفت سے متصف ہو۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں :۔

۱۔ "عقیدہ کی رُو سے جو خُدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خُدا ایک ہے اور محمد صلّی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔ اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پہ بروزی طور پر محمدیّت کی چادر پہنائی گئی۔"

(کشتی نوح ص۱۵ مطبوعہ ۱۹۰۲ء)

۲۔ "اللہ جلّ شانہ، نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا یعنی آپؐ کو افاضۂ کمال کے لئے مُہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی۔ اسی وجہ سے آپؐ کا نام خاتم النبیّین ٹھہرا یعنی آپؐ کی پیروی کمالاتِ نبوّت بخشتی ہے اور آپؐ کی توجہ رُوحانی نبی تراش ہے اور یہ قوّتِ قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔"

(حقیقۃ الوحی ص۹۷ حاشیہ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

آیت خاتم النبیّین اور اس کا مفہوم

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ

شَیۡءٍ عَلِیۡمًا ۝ (احزاب : ۴۰)

نہ محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ تھے نہ ہیں (نہ ہوں گے)
لیکن اللہ کے رسول ہیں بلکہ (اس سے بھی بڑھ کر) نبیوں کی
مہر ہیں اور اللہ ہر ایک چیز سے خوب آگاہ ہے۔

یہ آیت سنہ پانچ ہجری میں اس وقت نازل ہوئی جب حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا۔ حضرت زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ بولے بیٹے تھے۔ جب حضورؐ نے زیدؓ کی مطلّقہ (یعنی حضرت زینبؓ) سے نکاح کیا تو کفّار اور منافقین نے اعتراض کیا کہ آپؐ نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا۔ جو کسی طرح درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ کہ کسی کو بیٹا کہہ دینے سے وہ بیٹا نہیں بن جاتا۔ حرمت تو حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے میں ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حقیقی بیٹا نہیں۔ اس لئے حضرت زینبؓ سے نکاح پر اعتراض غلط ہے۔

سورۃ احزاب کی آیت ۷ میں یہ کہا گیا تھا کہ اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَاَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ یعنی نبی مومنوں سے ان کو اپنی جانوں کی نسبت بھی زیادہ قریب ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ نبی کی بیویوں کو ماں قرار دینے سے کوئی شخص یہ استدلال کر سکتا ہے کہ نبی اور مؤمنین کا رشتہ باپ بیٹے کا ہوا۔

ایسی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زیدؓ کی مطلقہ (حضرت زینبؓ) سے نکاح کرنا اپنی بہو سے نکاح کرنے کے مترادف ہے۔ اس اعتراض کو دُور کرنے کے لئے فرمایا۔ مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ۔ یعنی (جسمانی لحاظ سے) نہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے باپ تھے نہ ہیں (اور نہ ہوں گے) لہٰذا زیدؓ کے طلاق دینے کے بعد حضرت زینبؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کسی طرح بھی قابل اعتراض نہیں۔

آیت خاتم النبیین کے پہلے ٹکڑے سے بے شک بہو سے نکاح کرنیکا اعتراض دُور ہوگیا لیکن جسمانی ابوت کے انکار سے دو اور شبہات پیدا ہوسکتے تھے۔ اوّل یہ کہ بوجہ نبی ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنوں کا باپ قرار دیا گیا تھا۔ لیکن جب یہ کہا گیا کہ آپؐ کسی مرد کے باپ نہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا پھر آپؐ کی نبوت و رسالت بھی جاری ہے یا نہیں؟ دوم یہ کہ آپؐ کی نرینہ اولاد نہ ہونے کے باعث دشمن آپؐ کو ابتر کہتا تھا۔ اب اس آیت میں کہا گیا ہے کہ آپؐ کسی مرد کے باپ نہیں تو کیا واقعی (نعوذ باللہ) آپؐ ابتر ٹھہرے؟

ان ہر دو اعتراضات کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ۔ جسمانی ابوّت کی نفی سے یہ نہ سمجھنا کہ آپؐ روحانی لحاظ سے باپ نہیں رہے۔ اللہ کا رسُول ہونے کے لحاظ سے آپؐ مومنین کے رُوحانی باپ بدستور ہیں جس طرح ہر نبی اپنی امّت کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ نہ صرف اس قدر بلکہ آپ کا مقام اور مرتبہ

دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں بہت بلند و بالا ہے اور آپؐ خاتم النبیّین ہیں یعنی نبیوں کی مُہر ہیں۔ آپؐ کی تصدیق اور آپؐ کی تعلیم کی شہادت کے بغیر کوئی شخص نبوّت یا ولایت کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔

اس آیت خَاتَمَ النَّبِیّٖن میں خَاتَم (تاء کی زبر کیساتھ) کے معنی ختم کرنے والا نہیں ہوسکتے۔ اگر یہاں خَاتِم (تاء کی زیر کے ساتھ) ہوتا تو ختم کرنے والا کے معنی ہوسکتے تھے لیکن یہاں ت پر زبر ہے۔ جب خَاتَم (تاء کی زبر کے ساتھ) کسی صیغے کے ساتھ استعمال ہو تو اس کے معنی ہمیشہ "افضل" کے ہوتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں خَاتَمَ الْاَوْلِیَاء۔ خَاتَمَ المحدّثین خَاتَمَ الشعراء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے لئے خَاتَمَ الْاَوْلِیَاء کے الفاظ استعمال کئے ہیں (تفسیر صافی زیر آیت خاتم النبیین) تو کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت علیؓ کے بعد کوئی ولی نہیں ہوسکتا۔ پس محاورہ عرب کے مطابق خَاتَمَ النبیّین کے ایک معنی یہ ہوئے کہ تمام انبیاء سے افضل۔ یا ایسا وجود جس پر کمالاتِ نبوّت ختم ہوگئے اور وہ اپنے کمال میں بے مثال ٹھہرا۔

غرض اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیشک جسمانی لحاظ سے کسی مَرد کے باپ نہیں ہیں لیکن روحانی لحاظ سے بحیثیت رسُول آپؐ سب مومنوں کے باپ ہیں۔ نہ صرف مومنوں کے باپ ہیں بلکہ روحانی لحاظ تمام انبیاء کے بھی باپ ہیں۔ آپؐ کا محمدؐ (یعنی قابلِ

تعریف وجود) ہونا اس بات کا محتاج نہیں کہ آپؐ کی جسمانی اولاد ہو بلکہ آپؐ محمدؐ ہیں رسُول اللہ ہونے کے لحاظ سے اور خاتم النبییّن ہونے کے لحاظ سے۔

واضح رہے کہ رسُول اللہ ہونے کے لحاظ سے ہر نبی امّت کا باپ ہوتا ہے۔ جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے ممتاز کرتی ہے وہ آپؐ کا خاتَم ہونا ہے۔ یعنی آپ تمام انبیاء سے بلحاظ مقام و مرتبہ افضل و اعلیٰ ہیں۔ دوسرے آپؐ کی قوّتِ قدسیہ اور رُوحانی توجہ نبی تراش ہے یعنی آپؐ کی تعلیم پر عمل کرنے اور آپؐ کی کامل پیروی سے انسان نبوت کے مقام تک پہنچ سکتا ہے اور یہ خوبی آپؐ سے قبل کسی نبی کو حاصل نہیں تھی۔

خاتم النبییّن کے اسی مفہوم کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام یُوں بیان فرماتے ہیں:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا جس کے یہ معنی ہیں کہ آپؐ کے بعد براہِ راست فیوضِ نبوت منقطع ہو گئے۔ اور اب کمالِ نبوت صرف اسی شخص کو ملے گا جو اپنے اعمال پر اتباعِ نبوی کی مُہر رکھتا ہو گا۔ اور اس طرح پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا اور آپؐ کا وارث ہو گا۔ غرض اس آیت میں ایک طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ ہونے کی نفی کی گئی اور دوسرے طور سے باپ ہونے کا اثبات بھی کیا گیا تا وہ

اعتراض جس کا ذکر اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ میں ہے دُور کیا جائے۔"

(ریویو مباحثہ بٹالوی وچکڑالوی ص۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے بزرگان نے خَاتَمَ النَّبِیّٖن کے کیا معنی کئے

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت عباس رضی کے بارے میں فرماتے ہیں :۔

اِطْمَئِنَّ یَا عَمِّ فَاِنَّكَ خَاتَمُ الْمُهَاجِرِیْنَ فِی الْهِجْرَةِ كَمَا اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ فِی النُّبُوَّةِ۔ (کنز العمال جلد ۶ ص۱۷۸)

اے چچا! آپ مطمئن رہیئے کہ آپ اسی طرح خاتم المہاجرین ہیں جس طرح میں خاتم النبیین ہوں۔

ظاہر ہے کہ ہجرت کا سلسلہ حضرت عباس رض پر ختم نہیں ہو گیا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں خاتم المہاجرین قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم نہیں ہو گیا اس قول کا صرف یہ مفہوم ہے کہ آئندہ حضرت عباس رض کی شان کا اب کوئی مہاجر نہیں ہوگا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا کوئی نبی نہیں ہوگا۔

۲۔ حضرت علی رض کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

اَنَا خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتَ یَا عَلِیُّ خَاتَمُ الْاَوْلِیَاءِ

(تفسیر صافی زیر آیت خاتم النبیین)

اے علی! مَیں خَاتَم الانبیاء ہوں اور تُو خَاتَم الاولیاء ہے۔
۳۔ مجمع بحارالانوار میں جو لُغت کی کتاب ہے لفظ خاتم کے نیچے حضرت عائشہؓ کا یہ قول درج ہے۔ قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمَ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَهٗ۔ (تکملہ صفحہ ۸۵) یہ تو کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ہیں۔ مگر یہ کبھی نہ کہنا کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ اس کے آگے لکھا ہے۔ هٰذَا نَاظِرٌ عَلٰی نُزُوْلِ عِیْسٰی وَهٰذَا اَیْضًا لَا یُنَافِیْ حَدِیْثَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ لِاَنَّهٗ اَرَادَ لَا نَبِیَّ یَنْسَخُ شَرْعَهٗ (تکملہ صفحہ ۸۵)۔
یعنی یہ قول حضرت عائشہؓ صدیقہ کا نزولِ مسیح کا مؤیّد ومحافظ ہے اور لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ والی حدیث کا بھی مخالف نہیں کیونکہ خاتم النبیّین والی آیت اور لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کا مطلب تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں جو آنحضرتؐ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

امکانِ نبوّت از قرآنِ کریم

قرآن کریم سے یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد نبوّت کا سلسلہ بند نہیں ہوا بلکہ جاری ہے اور اس امر کا امکان موجود ہے کہ آپؐ کے بعد ایسے نبی آتے رہیں جو آپؐ کے امّتی ہوں اور قرآن کریم کی تعلیم کو ہی دنیا میں رائج کرنیوالے ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسلام کی تعلیم کو چھوڑ کر اور بلا واسطہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قسم کا رُوحانی مقام حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ خدائے تعالیٰ کے قُرب کو حاصل کرنے کی سب راہیں مسدود ہیں سوائے اس راہ کے جو قرآن کریم نے بتلائی۔ اور اس اُسوہ کی پیروی کے جو ہمارے آقا سیّد و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ پس اُمّتی نبی کے راستہ میں آیت خاتم النبیّین ہرگز روک نہیں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے۔

پہلی آیت

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝

(نساء ع ۹ آیت ۷۰)

اور جو (لوگ بھی) اللہ اور اِس رسُول کی اطاعت کریں گے
وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا
ہے یعنی انبیاء اور صدّیقین اور شہداء اور صالحین
(میں) اور یہ لوگ (بہت ہی) اچھے رفیق ہیں۔

استدلال

اس آیت میں امّتِ محمدیّہ کے لئے جو درجات مقدّر ہیں ان کا ذکر ہے اور بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنیوالوں اور اِس رسُول یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنیوالوں کو نبوّت، صدّیقیت، شہادت اور صالحیّت کے مقام و مرتبے عطا کئے جائیں گے۔ گویا ایک سچّا مومن اور مسلمان صالحیّت کے مقام سے ترقی کرتے کرتے نبوّت کے مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں دوسرے انبیاء کا ذکر ہے وہاں بتلایا گیا ہے کہ اُن کی پیروی سے زیادہ سے زیادہ صدّیقیت کا مقام حاصل ہو سکتا ہے۔ جیساکہ فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ (الحدید ع آیت ۲۰) اور جو اللہ پر اور اس کے رسُولوں پر ایمان لائے وہی اپنے رب کے نزدیک صدّیق اور شہداء کا درجہ پانے والے ہیں۔ ان دونوں آیات پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبیوں کی

اطاعت کے نتیجہ میں انسان صرف صدیق شہید اور صالح کا درجہ پا سکتا تھا۔ لیکن آنحضرتؐ کی اطاعت کے نتیجہ میں ان مدارج کے علاوہ نبوّت کا مرتبہ بھی مل سکتا ہے۔

یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ سُورۃ نساء کی مندرجہ بالا آیت میں مَعَ الَّذِیْنَ کے الفاظ ہیں یعنی ایسے لوگوں کے ساتھ ہوں گے جو نبی، صدیق، شہید اور صالح ہوں گے اس سے یہ کہاں پتہ لگا کہ وہ ان میں سے ہوں گے۔ یہ اعتراض قلّتِ تدبّر کا نتیجہ ہے۔ اور عربی زبان اور قرآنی اسلوبِ بیان سے ناواقفیّت کا نتیجہ ہے کیونکہ مَعَ کے معنی سیاق وسباق اور قرینہ کے مطابق بعض اوقات صرف "میں" کے ہوتے ہیں ساتھ کے نہیں۔ جیساکہ دُعا سکھائی وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ (آل عمران عٓ آیت ۱۹۴) یعنی مومن یہ دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ وفات دے۔ اس آیت کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ جب کوئی نیک آدمی مرنے لگے تو ہم بھی مر جائیں بلکہ صرف یہ مطلب ہے کہ ہمیں اس حالت میں وفات دے کہ ہم نیک لوگوں میں شامل ہوں۔

اگر مندرجہ بالا آیت میں "مَعَ" کا ترجمہ "ساتھ" کیا جائے تو آیت بے معنی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ خُدا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے انسان نبی تو نہیں ہو سکتا ہاں ان کے ساتھ ہو گا۔ تو لازمًا یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان چاروں

درجوں میں سے کوئی درجہ بھی نہیں ملے گا ۔ صرف ان کے ساتھ ہونے کا شرف حاصل ہوگا ۔ جن کو یہ مدارج ملیں گے ۔ اگر انسان صالح یا نیک بھی نہ بن سکا تو پھر کیا فائدہ ہوا ۔ اس سے تو نعوذ باللہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے انبیاء کا مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند ہے کیونکہ ان کی اطاعت سے صدیقیت کا درجہ مل جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ بات درست نہیں ۔ پس ثابت ہوا کہ مَعَ کے یہی معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والے نبوت کے مقام تک فائز ہوں گے ۔

دوسری آیت

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ۝

(الحج ع آیت ۷۶)

اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے بھی اور انسانوں میں سے بھی رسول منتخب کرتا ہے اور کرتا رہے گا کیونکہ وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے ۔

استدلال

اس آیت میں یَصْطَفِیْ مضارع کا صیغہ ہے جو حال اور مستقبل دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے ۔ اور اس کے معنی ہوں گے "منتخب کرتا ہے" اور

"منتخب کرے گا"۔ گویا اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک سنّت کا ذکر کیا ہے کہ وہ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسُول منتخب فرماتا رہتا ہے۔ اور خُدا کی سُنّت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ فرمایا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ تو خُدا کی سُنّت میں کبھی تبدیلی نہیں پائیگا۔

تیسری آیت

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (الاعراف ع۴ آیت ۳۶)

اے آدم کے بیٹو! جب بھی تمہارے پاس تم میں سے رسُول بنا کر بھیجے جائیں۔ اور وہ تمہارے سامنے میری آیات پڑھ کر سُنائیں تو جو لوگ تقویٰ اختیار کریں گے اور اصلاح کریں گے ان کو (آئندہ کے لئے) کسی قسم کا خوف نہ ہوگا اور نہ وہ (ماضی کی طرح کسی بات پر) غمگین ہوں گے۔

استدلال

اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جب تک بنی آدم اس دُنیا میں موجود ہیں۔ ان میں رسول آتے رہیں گے اور انسانوں کا فرض ہے کہ ان پر ایمان لائیں۔ اس جگہ اگرچہ ساری نسل انسانی کو عمومی رنگ میں

خطاب کیا گیا ہے۔ لیکن درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور آپؐ کے بعد کے زمانہ کے لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلی آیت کے مفہوم سے واضح ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ج اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ (الاعراف: ۳۲)

اے آدم کے بیٹو! ہر مسجد کے قریب زینت (کے سامان) اختیار کرلیا کرو۔ اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو۔ کیونکہ وہ (اللہ) اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس جگہ مسجد میں زینت اختیار کرنے کا حکم امتِ محمدیہ کو ہے۔ لیکن خطاب بنی آدم کہہ کر کیا گیا ہے۔

چوتھی آیت

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ (سورۃ فاتحہ)

(اے اللہ) ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تُو نے انعام کیا جن پر نہ تو (بعد میں تیرا) غضب نازل ہُوا (ہے) اور نہ وہ (بعد میں) گمراہ (ہو گئے) ہیں۔

استدلال

اس آیت میں ہمیں یہ دُعا سکھائی گئی ہے کہ ہم انعام یافتہ گروہ کے راستہ پر چلیں اور انعام پائیں۔ قرآن کریم سورہ نساء آیت ۶۹/۷۰ میں (جس کی تشریح پہلی آیت میں اُوپر آچکی ہے) اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ انعام پانیوالے وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں نبوّت، صدّیقیت، شہادت اور صالحیت کے مقام پر سرفراز کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا (المائدہ ۲۱)
اور (تم اس وقت کو یاد کرو) جب موسٰی نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم تم اللہ کے اس انعام کو یاد کرو جب اس نے تم میں نبی مقرر کئے تھے اور تمہیں بادشاہ بنایا تھا۔ اس آیت میں نبوت کو اور بادشاہت کو انعام قرار دیا ہے ان دونوں آیتوں کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ہمیں خود یہ دُعا سکھائی ہے تو دراصل اس میں اس بات کی بشارت دی ہے۔ کہ وہ ہم میں بھی نبوت اور بادشاہت کا انعام جاری رکھے گا۔ اُمّتِ مسلمہ کو خیر اُمّت قرار دیا گیا ہے۔ وہ خیر اُمّت اسی طرح ہوسکتی ہے کہ اس میں بھی سلسلہ نبوّت جاری رہے جیسے اس سے قبل دوسری اُمتوں میں جاری تھا۔ اگر اس انعام کا دروازہ بند تسلیم کیا جائے تو پھر اُمّتِ مسلمہ خیر اُمّت کیونکر قرار دی جاسکتی ہے؟

امکانِ نبوّت از احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود اس بارے میں جو کچھ فرمایا اس سے بھی یہی عیاں ہوتا ہے کہ اُمتِ محمدیہ میں نبوت کا سلسلہ بند نہیں ہُوا۔ چند احادیث پیش ہیں :۔

پہلی حدیث :۔

اَبُوْ بَکْرٍ اَفْضَلُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ

(کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق ص۴)

ابوبکرؓ اس امّت میں سب سے افضل ہیں سوائے اس کے کہ کوئی نبی اُمّت میں پیدا ہو۔

مندرجہ بالا حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ کہکر ایک استثناء کر دیا۔ اگر کسی نبی کے پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں تھا تو اس استثناء کی ضرورت نہیں تھی۔

دوسری حدیث :۔

آیت خاتم النبیّین ۵ھ میں نازل ہوئی ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہُوئے اور پھر فوت بھی ہو گئے ان کی وفات پر حضورؐ نے فرمایا :۔

لَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا۔ (ابن ماجہ کتاب الجنائز)

اگر ابراہیم زندہ رہتا تو ضرور سچا نبی ہوتا۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خَاتَمَ النَّبِیّٖن ہونے کے باوجود نبوت کا امکان باقی ہے اگر خاتم النبیین کے یہی معنی ہوتے کہ آئندہ کوئی نبی نہیں ہوگا تو ایسی صورت میں حضورؐ کو یہ فرمانا چاہیئے تھا کہ اگر میرا ابراہیم زندہ رہتا تب بھی نبی نہ ہوتا۔ کیونکہ مَیں خَاتَم النبیین ہُوں۔ لیکن حضور کا یہ ارشاد ہے کہ ابراہیم کے نبی ہونے میں موت حائل ہوگئی۔ اگر وہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔

تیسری حدیث :۔

مسیح موعود کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

اَلَآ اِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ نَبِيٌّ وَلَا رَسُوْلٌ وَاَلَآ اِنَّهٗ خَلِيْفَتِيْ فِيْ اُمَّتِيْ۔

(طبرانی فی اوسط والکبیر)

سُن لو! میرے اور مسیح موعود کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ اور سُن لو کہ وہ میری اُمّت میں میرا خلیفہ ہے۔

حدیث لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ کی تشریح :۔

حدیث لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ کو عام طور پر اس امر کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کا سلسلہ بند ہوگیا ہے لیکن جب قرآن کریم کی متعدد آیات نیز احادیث سے نبوّت کے جاری

رہنے کا امکان موجود ہے تو لازماً اس حدیث کا وہی مفہوم صحیح ہو سکتا ہے جو قرآن کریم اور دوسری احادیث کے خلاف نہ ہو اس لحاظ سے حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کا مفہوم بزرگانِ دین نے یہی بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسی نبوّت بند ہے جو تشریعی ہو یعنی اب کوئی ایسا نبی نہیں آ سکتا جو قرآنی شریعت کو منسوخ کر دے۔ اُمتی نبی کے آنے میں یہ حدیث روک نہیں چند بزرگان کے اقوال درج ذیل ہیں:۔

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:۔

قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَهٗ ۔ (تفسیر الدر المنثور للسیوطی جلد ۵ صفحہ ۲۰۴ و تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵)

اے لوگو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ضرور کہو مگر یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کسی قسم کا نبی نہ آئے گا۔

۲۔ امام مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

وَرَدَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ مَعْنَاهُ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ لَا یَحْدُثُ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ بِشَرْعٍ یَنْسَخُ شَرْعَهٗ ۔

(الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ صفحہ ۲۲۶)

حدیث میں لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے جو الفاظ آئے ہیں اس کے معنی علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ کوئی نبی ایسی شریعت کو لیکر پیدا نہیں ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرتی ہو۔

۳۔ الشیخ الاکبر حضرت محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

وَهٰذَا مَعْنیٰ قَوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ اَیْ لَا نَبِیَّ یَکُوْنُ عَلٰی شَرْعٍ یُخَالِفُ شَرْعِیْ بَلْ اِذَا کَانَ یَکُوْنُ تَحْتَ حُکْمِ شَرِیْعَتِیْ ۔ (فتوحاتِ مکیہ جلد۲ صفحہ۳ باب ۷۳)

یہی معنی اس حدیث کے ہیں کہ اب رسالت اور نبوت منقطع ہو گئی ہے۔ میرے بعد نہ رسول ہے اور نہ نبی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے مراد یہ ہے کہ اب ایسا نبی کوئی نہیں ہو گا جو ایسی شریعت پر ہو جو میری شریعت کے خلاف ہو۔ بلکہ جب کبھی کوئی نبی آئے گا تو وہ میری شریعت کے حکم کے ماتحت ہو گا۔"

۴۔ نواب صدیق حسن خانصاحب بھوپالوی (وفات ۱۸۸۹ء) لکھتے ہیں:۔

"لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ آیا ہے۔ جس کے معنی نزدیک اہلِ علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی شرعِ ناسخ لیکر نہیں آئے گا۔"

(اقتراب الساعۃ صفحہ۱۶۲)

صداقت حضرت مسیح موعودؑ از قرآنِ کریم

قرآن کریم ایک کامل شریعت ہے اس میں تمام دینی معاملات کے متعلق تفصیلی ہدایات اور راہنمائی موجود ہے اور کوئی پہلو دین کا ایسا نہیں جو تشنہ رہ گیا ہو۔ ہر مسئلہ سے متعلق نہ صرف ہدایات دی گئی ہیں بلکہ اس کے دلائل اور اس کی حکمتیں بھی بیان کر دی گئی ہیں۔ ایک مُدعی نبوت کی صداقت کا معاملہ بھی ایک اہم دینی مسئلہ ہے۔ قرآن کریم نے اس بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور ایسے معیار مقرر کئے ہیں جن کے ذریعہ صادق اور کاذب میں تمیز ہو سکتی ہے۔

معیارِ اوّل :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو ثابت کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اے نبیؐ تو ان سے کہہ دے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۔ (یونس ع ۲ آیت ۱۷) اس سے پہلے میں ایک عرصہ دراز تم میں گذار چکا ہوں کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

استدلال :- اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی تو اُن لوگوں سے کہہ دے کہ میں دعویٰ نبوّت سے قبل تم میں ایک لمبی عمر

گذار چکا ہوں ۔ کیا تم نے مجھے پہلے کبھی جھوٹ بولتے دیکھا ہے ۔ اگر میں نے اپنی چالیس سالہ زندگی میں جو دعویٰ نبوت سے قبل کی ہے کسی ایک معاملہ میں بھی جھوٹ نہیں بولا تو کیا تمہاری عقل اس بات کو تسلیم کرے گی کہ آج اچانک میں خدائے تعالیٰ کے بارے میں جو احکم الحاکمین ہے جھوٹ اور افترا سے کام لینے لگا ہوں ۔ انسانی فطرت تو یہ ہے کہ ہر عادت خواہ نیکی کی ہو یا بدی کی آہستہ آہستہ پڑتی ہے ۔ یہ تو فطرت کے ہی خلاف ہے کہ چالیس سال تک تو انسان سچ بولتا رہا ہو اور پھر ایک دم ایسا تغیر پیدا ہو جائے کہ انسان خدا کے بارے میں جھوٹ بولنے لگے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دعویٰ نبوت پیش کرنے سے قبل لوگوں کو جمع کیا اور ان سے دریافت کیا کہ کیا میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے ایک لشکر جرار چھپا ہوا ہے تو تم اس بات کو مان لوگے ! تو انہوں نے کہا مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الشعراء جلد ۳ صلنا مصری) ہم نے آپؐ سے سوائے سچ کے کسی اور چیز کا تجربہ نہیں کیا ۔ تب آپؐ نے فرمایا :۔ فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۔ میں خدا کی طرف سے نبی ہو کر آیا ہوں اور ایک خطرناک عذاب سے تمہیں ڈراتا ہوں ۔ یہ بات سُنکر حاضرین میں سے ابولہب اٹھا ۔ اور اُس نے کہا تَبًّا لَّكَ ۔ تیرے لئے ہلاکت ہو تو نے یہ کیا بات کہی ہے ۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کی دعویٰ سے پہلے کی زندگی

دوست اور دشمن سب کے تجربہ کی رُو سے پاک اور صاف ہوتی ہے اور وہ جھوٹ بولنے کا قطعاً عادی نہیں ہوتا۔ درحقیقت اسکی دعویٰ نبوت سے بعد کی زندگی بھی پاک وصاف ہوتی ہے لیکن دعوئ نبوّت کرنے کے بعد لوگ اس کے دشمن ہو جاتے ہیں اور اس پر طرح طرح کے الزامات لگا دیتے ہیں۔ پس ایک مدعیٔ نبوت کی صداقت کو پرکھنے کے لئے اسکی دعویٰ سے قبل کی زندگی کو دیکھنا چاہیئے۔ اگر وہ ہر پہلو سے پاک وصاف ہے تو بلاشبہ وہ سچا ہے۔ یہ ایسی دلیل ہے جو فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے اور جاہل سے جاہل بھی اسکو سمجھ سکتا ہے۔ اسی دلیل کے مطابق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود ومھدیٔ معہود سچے قرار پاتے ہیں۔ دیکھئے حضورؑ اپنی پاکیزہ زندگی کے بارے میں کیسی تحدی سے فرماتے ہیں:۔

"اب دیکھو خدا تعالیٰ نے اپنی حجّت کو تم پر اس طرح پُورا کر دیا ہے کہ میرے دعویٰ پر ہزارہا دلائل قائم کر کے تمہیں موقعہ دیا ہے کہ تا تم غور کرو کہ وہ شخص جو تمہیں اس سلسلہ کی طرف بلاتا ہے خود کس درجہ کی معرفت کا آدمی ہے اور کس قدر دلائل پیش کرتا ہے اور تم کوئی عیب افتراء یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی میں نہیں لگا سکتے تا تم یہ خیال کرو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افتراء کا عادی ہے یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا۔ کون تم میں سے ہے جو میری سوانح زندگی میں نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ پس یہ خدا کا فضل ہے جو اس نے ابتداء سے مجھے تقویٰ پر

قائم رکھا۔ اور سوچنے والوں کے لئے یہ ایک دلیل ہے "۔
(تذکرۃ الشہادتین ص۶۲)

اس چیلنج کو پیش کئے آج ستر سال ہو گئے ہیں۔ کوئی شخص حضورؑ کی دعویٰ سے پہلے کی زندگی پر نکتہ چینی نہیں کر سکا۔ صرف یہی نہیں کہ کوئی نکتہ چینی نہیں کر سکا بلکہ یہ کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جنہوں نے سارے ہندوستان میں پھر کر حضور کے خلاف کفر کے فتوے جمع کئے دعویٰ سے قبل کی زندگی کے بارے میں گواہی دیتے ہیں کہ حضورؑ متقی اور پرہیزگار تھے۔ اور انھوں نے دین کی بے مثال خدمت کی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سب سے پہلی تصنیف "براہین احمدیہ" پر ریویو کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں :۔

"اب ہم اس پر اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی........ اور اس کا مؤلف (یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام) بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے"۔
(اشاعۃ السنہ جلد ۶ ص۶)

پس اگر دعویٰ نبوت سے قبل کی پاکیزہ زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(فداہ اُمی وابی) کی صداقت کی دلیل ہے تو یقیناً اہل دانش کے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی صداقت کی بھی دلیل ہے کیونکہ آپؑ نے بھی دُنیا کے سامنے خُدائی مرسل ہونے کا دعویٰ پیش کیا۔

معیارِ دوم :۔

صداقت کا دوسرا معیار مدعی کے دعویٰ سے تعلق رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سورۃ الحاقۃ ع۲ میں فرماتا ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ صلے فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ۝

(الحاقۃ ۴۵ تا ۴۸)

اور اگر یہ شخص ہماری طرف جھوٹا الہام منسُوب کر دیتا خواہ ایک ہی ہوتا تو ہم یقیناً اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اور اس کی رگِ گردن کاٹ دیتے سو اس صورت میں تم میں سے کوئی بھی نہ ہوتا جو اُسے خُدا کے عذاب سے بچا سکتا۔

استدلال :۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ مدّعی جھوٹا ہوتا اور جھوٹے الہام بنا کر یہ کہتا کہ یہ الہام خُدا نے کیا ہے تو ہم اُسے پکڑ لیتے اور جلد ہلاک کر دا دیتے اُسے اتنی مہلت نہ دی جاتی کہ وہ لوگوں کو مسلسل گمراہ کرتا رہتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعویٰ نبوّت کے بعد ۲۳ سال زندہ رہے۔ حضورؐ کی یہ زندگی اس بارے میں معیار ہے۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے کہ اتنے لمبے عرصہ تک (جو ۲۳ سال پر ممتد ہے) اس کا زندہ رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے دعویٰ میں راستباز ہے۔ اگر وہ جھوٹا ہوتا تو بہت جلد ہم گرفت کرتے اور ہلاک کر دیتے۔ اس آیت سے یہ نتیجہ نکلا کہ کوئی جھوٹا مدعی الہام و وحی اتنا عرصہ زندہ نہیں رہ سکتا جتنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رہے۔ جب سے دُنیا بنی ہے کسی جھُوٹے مدعیٔ نبوّت کو (بشرطیکہ وہ مجنون نہ ہو) دعویٰ کے بعد ۲۳ سال کی مہلت نہیں ملی۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اس آیت کریمہ میں لفظ تَقَوَّلَ استعمال ہُوا ہے جو جان بُوجھ کر اور عمداً جھوٹ بولنے پر دلالت کرتا ہے ایک مجنون اور دیوانہ اس قانون کی زد میں نہیں آتا۔ کیونکہ وہ بوجہ بیماری معذور ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے الہامات کا سلسلہ ۴۳ [1] برس تک جاری رہا۔ پس آپؑ کا اتنی مدّت تک ہلاک نہ ہونا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپؑ بلاشبہ راستباز اور منجانب اللہ تھے۔

معیارسوم :۔

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ۝ (الجنّ ع۲ - ۲۷ - ۲۸)

غیب کا جاننے والا وہی ہے (یعنی خُدائے تعالیٰ) اور وہ اپنے غیب پر اپنے رسولوں کے سوا کسی کو کثرت سے اطلاع نہیں دیتا۔

---

[1] :۔ تذکرہ ایڈیشن دوم میں پہلا الہام "ست بچن" کے حوالہ سے ۱۸۶۵ء کا درج کیا گیا ہے اور آخری الہام ۲۰ مئی ۱۹۰۸ء کا ہے اس طرح الہام الٰہی کا سلسلہ ۴۳ سال کے طویل عرصہ پر پھیلا ہوا ہے ؛

استدلال: - اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ۔ (الانعام ع آیت ۶۰)

یعنی غیب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور غیب کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس آیت میں اَلْغَيْب سے مراد خالص غیب ہے جس کی پیش بینی کسی سائنسی اصول پر نہیں کی جا سکتی۔ سورۃ الجنّ کی آیت میں یہ تبلایا ہے کہ خالص غیب کی خبریں اللہ تعالیٰ صرف اپنے برگزیدہ انبیاء کو ہی کثرت سے تبلاتا ہے۔ اس اصول کے مطابق جس شخص کو کثرت سے امورِ غیبیہ پر اطلاع دی جائے اس کے رسول ہونے میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ ظَهَرَ عَلَى الْغَيْب کے یہی معنی ہیں کہ امورِ غیبیہ کثرت سے بتلائی جائیں اور وہ عظیم الشان خبروں پر مشتمل ہوں گویا کمیّت اور کیفیّت دونوں اعتبار سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ گویا غیب پر غلبہ حاصل ہو گیا ہے۔

قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسی غیبی خبریں کچھ آفاق سے یعنی اطرافِ عالم سے تعلق رکھتی ہیں اور کچھ افراد سے تعلق رکھتی ہیں جیسا کہ فرمایا۔ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حٰمٓ سجدہ ع آیت ۵۴)

عنقریب ہم ان لوگوں کو اطرافِ عالم میں بھی نشان دکھائیں گے اور خود ان کی جانوں میں بھی۔ یہاں تک کہ ان کے لئے ظاہر ہو جائے گا کہ یہ (قرآنی وحی) حق ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو ہزارہا امورِ غیبی سے مطلع کیا گیا جن کا تعلق قوموں اور ملکوں، دوستوں اور دشمنوں، اپنے خاندان والوں اور خود اپنی ذات سے تھا۔ اور وہ اپنے اپنے وقت پر بعینہٖ اسی طرح ظاہر ہو کر خُدائے تعالیٰ کی ہستی، اسلام کی صداقت اور آپؑ کے منجانب اللہ ہونے پر گواہ ٹھہرے ان میں سے چند کا اسجگہ ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ زارؔ کی حالتِ زار

پہلی جنگِ عظیم سے قبل زارِ روس کی حکومت دُنیا کی طاقتور ترین حکومت سمجھی جاتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا سے خبر پاکر ۱۵ ر اپریل ۱۹۰۵ء میں پیشگوئی فرمائی کہ وقت آرہا ہے جب زارِ روس کی حالت قابلِ رحم ہو جائے گی۔ چنانچہ اپنے منظوم کلام میں فرماتے ہیں:-

اک نشاں ہے آنے والا آج سے کچھ دن کے بعد
جس سے گردش کھائیں گے دیہات و شہر اور مرغزار
آئے گا قہرِ خُدا سے خلق پر اک انقلاب
اک برہنہ سے نہ یہ ہوگا کہ تا باندھے اِزار
اِک جھپک میں یہ زمیں ہو جائے گی زیر و زبر
نالیاں خوں کی چلیں گی جیسے آبِ رود بار
خون سے مُردوں کے کوہستان کے آبِ رواں
سُرخ ہو جائیں گے جیسے ہو شرابِ انجبار

مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جن و انس
زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار
(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۷)

اس پیشگوئی کے مطابق ۱۹۱۴ء میں پہلی عالمگیر جنگ شروع ہوئی بیشمار جانیں ضائع ہوئیں اور خون کی ندیاں بہہ گئیں اور روس میں ایک انقلاب برپا ہوگیا جس کے نتیجہ میں آناً فاناً زارِ روس کا نہ صرف خاتمہ ہوگیا بلکہ اس کی اور اس کے خاندان کی حالت واقعی ایسی ہوگئی جس پر رونا آتا ہے اور زارِ روس باحالِ زار ہوگیا۔

۲۔ ”آہ نادر شاہ کہاں گیا“

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ۳ رمئی ۱۹۰۵ء کو ایک رؤیا ہوا فرمایا:۔

”صبح کے وقت لکھا ہوا دکھایا گیا“ آہ نادر شاہ کہاں گیا“
(تذکرہ ص۵۴۳ طبع دوم)

اس الہام کا تعلق سرزمین کابل سے ہے ۱۸۸۳ء میں جو الہامات حضرت مسیح موعودؑ پر نازل ہوئے ان میں سے ایک یہ تھا۔ ”شَاتَانِ تُذْبَحَانِ وَكُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (تذکرہ ص۹۲ طبع دوم) یعنی دو بکریاں ذبح کی جائیں گی اور زمین پر کوئی ایسا نہیں جو مرنے سے بچ جائے گا۔ یعنی ہر ایک کے لئے قضاء و قدر درپیش ہے اور موت سے کسی کو خلاصی نہیں۔“

اس پیشگوئی کے مطابق ۱۹۰۳ء میں حضرت شہزادہ سید عبداللطیف صاحبؓ اور مولوی عبدالرحمٰن صاحبؓ جو کابل کے رہنے والے تھے افغانستان کے شاہی خاندان کے حکم سے صرف اس وجہ سے سنگسار کر دیئے گئے کہ انہوں نے احمدیت کو قبول کر لیا تھا۔ یہ کارروائی امیر حبیب اللہ خاں کے دور میں ہوئی۔

پھر یکم جنوری ۱۹۰۶ء کو الہام ہوا۔ "تین بکرے ذبح کئے جائیں گے"۔ زندکرہ ص۵۸۲ طبع دوم) چنانچہ یہ الہام ۱۹۲۴ء میں اس طرح پورا ہوا۔ کہ افغانستان کے اسی شاہی خاندان کے آخری حکمران امیر امان اللہ خاں کے حکم سے جماعت احمدیہ کے تین اور افراد یعنی حضرت مولوی نعمت اللہ خاں صاحبؓ۔ حضرت مولوی عبدالحکیم صاحبؓ اور ملا نور علی صاحبؓ صرف احمدیت کی وجہ سے شہید کر دیئے گئے۔ اول الذکر ۳۱ اگست ۱۹۲۴ء کو شہید کئے گئے اور دوسرے دو افراد ۱۲ فروری ۱۹۲۵ء کو شہید کئے گئے۔

اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ افغانستان کا یہ شاہی خاندان بیگناہ احمدیوں کے خون سے ہاتھ رنگے گا۔ اس لئے اس علام الغیوب خدا نے ایک اور خبر "آہ نادر شاہ کہاں گیا" کے الفاظ میں دی اور فرمایا کہ یہ خاندان اپنے کئے کی سزا بھگتے گا۔ چنانچہ ۱۹۲۹ء میں ایک نہایت ہی معمولی شخص حبیب اللہ خاں المعروف بچہ سقہ کے ہاتھوں اس خاندان کا تختہ الٹ گیا اور وہ وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ اس وقت نادر خاں نامی ایک جرنیل فرانس میں بیمار پڑا تھا افغانوں نے اس کو بلایا اور وہ افغانستان

کا بادشاہ بن گیا۔ اس نے "خان" کا ملکی لقب ترک کر کے "شاہ" کا لقب اختیار کیا اور "نادر شاہ" کہلانے لگا۔ پھر ۸ر نومبر ۱۹۳۳ء کو عین دن کے وقت ایک شخص عبدالخالق نے ایک بڑے مجمع میں اسے قتل کر دیا۔ اس طرح نادر شاہ کی بے وقت اور اچانک موت نے نہ صرف افغانستان بلکہ تمام دنیا کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلوا دیئے کہ "آہ نادر شاہ کہاں گیا"۔

۳۔ لیکھرام کے متعلق پیشگوئی

لیکھرام ہندوستان کے آریہ سماج فرقہ کا ایک لیڈر تھا جو بہت گندہ دہن تھا اور اسلام پر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر رکیک حملے کرتا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اسے بہت سمجھایا اور ان باتوں سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن وہ شرارت، شوخی اور بدگوئی میں بڑھتا گیا۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو آپؑ کو بتایا گیا کہ "عِجْلٌ جَسَدٌ لَهٗ خُوَارٌ۔ لَهٗ نَصَبٌ وَّعَذَابٌ یعنی یہ صرف ایک بے جان گوسالہ ہے جس کے اندر سے ایک مکروہ آواز نکل رہی ہے اور اس کے لئے ان گستاخیوں اور بدزبانیوں کے عوض میں سزا اور رنج اور عذاب مقدر ہے جو ضرور اس کو مل کر رہے گا۔"

(اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۹۳ء)

پھر حضرت اقدسؑ نے اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر تحریر فرمایا:۔

" اگر اس شخص پر چھ برس کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے یعنی

۲۰ فروری ۱۸۹۳ء سے کوئی ایسا عذاب نازل نہ ہوا جو معمولی تکلیفوں سے نرالا اور خارق عادت اور اپنے اندر الٰہی ہیبت رکھتا ہو تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں"۔

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء)

ایک اور الہام کے الفاظ ہیں۔ یُقْضٰی اَمْرُہٗ فِیْ سِتٍّ۔ (استفتا، اُردو حاشیہ ص۱۰) ترجمہ:۔ اس کا معاملہ چھ میں ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپؑ نے پیشگوئی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ جس دن یہ پیشگوئی پوری ہوگی وہ عید کے دن کے ساتھ ملا ہوا دن ہوگا۔ اسی طرح آپؑ نے اپنی کتاب "آئینہ کمالاتِ اسلام" میں لیکھرام کے بارے میں لکھا:۔

الا اے دشمنِ نادان و بے راہ ❊ بترس از تیغِ بُرّانِ محمدؐ

ان تمام پیشگوئیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لیکھرام کے بارے میں مندرجہ ذیل امور آپ کو بتلائے گئے تھے۔

(۱) لیکھرام پر ایک عذاب آئے گا جس کا نتیجہ موت ہوگا۔

(۲) یہ عذاب چھ سال کے عرصہ میں آئے گا۔

(۳) یہ عذاب عید کے ساتھ ملے ہوئے دن میں آئے گا۔

(۴) لیکھرام سے گوسالہ سامری کا سا سلوک کیا جائے گا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا۔

(۵) وہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا کشتہ ہوگا۔

ان پیشگوئیوں کے پانچ سال بعد کسی نامعلوم شخص نے لیکھرام کے گھر میں تیز خنجر سے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ عید کے ساتھ ملا ہوا دن تھا۔ گوسالہ سامری کو ہفتہ کے دن ٹکڑے ٹکڑے کر کے پہلے جلایا گیا اور پھر راکھ دریا میں پھینک دی گئی اسی طرح لیکھرام ہفتہ کے دن ہلاک ہوا۔ پہلے جلایا گیا اور پھر راکھ دریا میں ڈالدی گئی اس کی ہلاکت اسلام کی صداقت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کا ایک زبردست ثبوت ہے اور اہلِ ہند بالخصوص ہنود کے لئے وہ حجّت ٹھہری۔

۴۔ ڈاکٹر ڈوئی کے متعلق پیشگوئی

ڈاکٹر الیگزنڈر ڈوئی امریکہ کا ایک مشہور عیسائی منّاد تھا جس نے صیحون نامی ایک شہر بسایا اور اعلان کیا کہ حضرت مسیح اسی شہر میں اُتریں گے۔ اس شخص کو بہت شہرت حاصل ہوئی اور اس کا شہر بہت بارونق ہو گیا۔ اسے اسلام سے سخت عداوت تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُسے مباہلہ کی دعوت دی تاکہ عیسائیت اور اسلام کی صداقت کا فیصلہ ہو سکے۔ اس سلسلہ میں اس نے اپنے اخبار میں لکھا:۔

"ہندوستان کا ایک بیوقوف محمدی مسیح مجھے بار بار لکھتا ہے کہ یسوع مسیح کی قبر کشمیر میں ہے اور لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تُو کیوں اس شخص کو جواب نہیں دیتا۔ مگر کیا تم خیال کرتے ہو کہ

مَیں ان مچھروں اور مکھیوں کا جواب دوں گا۔ اگر مَیں ان پر
اپنا پاؤں رکھوں تو مَیں ان کو کچل کر مار ڈالوں گا۔"

اس پر حضورؑ نے اپنے مباہلہ کے چیلنج کو دوبارہ دُہرایا اور لکھا
کہ ڈوئی اگرچہ پچاس برس کا جوان ہے اور مَیں ستّر برس کا ہوں لیکن فیصلے
کا انحصار عمروں پر نہیں ہوتا۔ احکم الحاکمین اسکا فیصلہ کریگا۔ نیز کہا:۔

"اگر ڈوئی مقابلہ سے بھاگ گیا تب بھی یقیناً سمجھو کہ اس کے
صیحون پر جلد آفت آنیوالی ہے۔"

(اشتہار ۲۳ اگست ۱۹۰۳ء)

اس خُدائی پیشگوئی کے بموجب خدا کا قہر اس پر نازل ہوُا۔ عین
اس وقت جبکہ وہ ایک عظیم اجتماع سے خطاب کر رہا تھا اس پر فالج کا حملہ
ہوُا اور وہ زبان بند کر دی گئی جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف
ہرزہ سرائی کرتی تھی۔ پھر دماغی فتور اور کئی اور بیماریوں میں مبتلا ہو گیا۔
اس پر غبن کا الزام تھا۔ شہر صیحون تباہ ہو گیا نہ صرف مریدوں نے بلکہ
اہل و عیال نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ بیٹے نے کہا کہ وہ ولدالزنا تھا۔
بالآخر ہزاروں مصیبتیں اور ذلّتیں سہتا ہوُا ۹ مارچ ۱۹۰۷ء کو حضرت
مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں اس جہان سے رخصت ہوُا۔ بیوی
بچے تک جنازے میں شریک نہ ہوُئے۔ گھر میں سے شراب کی بوتلیں
اور کنواری لڑکیوں کے عاشقانہ خطوط برآمد ہوُئے۔

غرض پیشگوئی کے مطابق وہ ذلّت و رسوائی کے ساتھ اس جہان سے

رخصت ہؤا۔ اور اس کی عبرتناک موت عیسائی دُنیا کے لئے ایک حجت قرار پائی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح محمدی کی صداقت پر مُہر تصدیق ثبت کر گئی۔ جو رہتی دُنیا تک ایک نشان رہے گا۔

۵۔ طاعون کی پیشگوئی

۶ر فروری ۱۸۹۸ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کشف میں دیکھا:۔

"خدائے تعالیٰ کے ملائک پنجاب کے مختلف مقامات میں سیاہ رنگ کے پودے لگا رہے ہیں..... مَیں نے لگانے والوں سے پوچھا کہ یہ کیسے درخت ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ طاعون کے درخت ہیں جو عنقریب ملک میں پھیلنے والی ہے۔" (تذکرہ صفحہ ۳۱۹ طبع ثانی)

اس پیشگوئی کے مدنظر آپؑ نے اشتہار کے ذریعہ لوگوں کو مشورہ دیا کہ کھلے مقامات پر رہائش اختیار کریں۔ لوگوں نے اس کا بڑا مذاق اڑایا کیونکہ ملک میں طاعون کا نشان تک نہ تھا۔ پیسہ اخبار لاہور نے لکھا:۔

"مرزا اسی طرح لوگوں کو ڈرایا کرتا ہے۔ دیکھ لینا خود اسی کو طاعون ہو گی۔"

لیکن پیشگوئی کے مطابق چند ماہ بعد طاعون نمودار ہو گئی مگر حملہ کمزور تھا اس لئے لوگ تمسخر سے باز نہ آئے تو حضورؑ نے از راہِ ہمدردی ۱۷ر مارچ ۱۹۰۱ء کو ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں تحریر کیا:۔

"سواے عزیزو! اس غرض سے پھر یہ اشتہار شائع کرتا ہوں کہ سنبھل جاؤ اور خدا سے ڈرو اور ایک پاک تبدیلی دکھلاؤ تا خدا تم پر رحم کرے اور وہ بلا جو بہت نزدیک آگئی ہے خدا اس کو نابود کر دے۔ اے غافلو! یہ ہنسی اور ٹھٹھے کا وقت نہیں ہے یہ وہ بلا ہے جو آسمان سے آتی اور صرف آسمان کے خدا کے حکم سے دُور ہوتی ہے"۔

جب لوگوں نے اس تنبیہہ سے فائدہ نہ اٹھایا تو خدائے ذوالجلال کا غضب بھڑکا اور ۱۹۰۲ء میں طاعون نے اس قدر زور پکڑا، کہ لوگ کتوں کی طرح مرنے لگے۔ اور گاؤں کے گاؤں اُجڑ گئے۔ اس قدر موتا موتی ہوئی کہ لاشوں کو سنبھالنے والا کوئی نہ ملتا۔ یہ حالات دیکھ کر آپؑ نے پھر ایک رسالہ "دافع البلاء ومعیار اھل الاصطفاء" تحریر فرمایا۔ اور لوگوں کو توجہ دلائی کہ اس مصیبت کا حقیقی علاج یہی ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کی طرف توجہ کی جائے اور اس کے فرستادہ کو قبول کیا جائے۔ چنانچہ تحریر فرمایا:-

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ اِنَّهٗ اٰوَى الْقَرْيَةَ۔ یعنی خدا نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اس بلائے طاعون کو ہرگز دُور نہیں کریگا جب تک لوگ ان خیالات کو دُور نہ کرلیں۔ جو ان کے دلوں میں ہیں یعنی جب تک وہ خدا کے مامور اور رسول کو مان نہ

پس تب تک طاعون دُور نہیں ہوگی اور وہ قادر خُدا
قادیان کو طاعون کی تباہی سے محفوظ رکھے گا تا تم سمجھو کہ
قادیان اسی لئے محفوظ رکھی گئی ہے کہ وہ خُدا کا رسُول اور
فرستادہ قادیان میں تھا "۔

(دافع البلاء صـ ۱۲ تا صـ ۱۴)

پھر خداوند عزّ وجلّ نے یہ بھی خبر دی کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ
مَنْ فِی الدَّارِ اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا مِنِ اسْتِکْبَارٍ وَ
اُحَافِظُکَ خَاصَّۃً ۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ

(تذکرہ صـ ۴۴۳ طبع دوم)

یعنی مَیں ہر ایک ایسے انسان کو طاعون کی موت سے بچاؤں گا جو
تیرے گھر میں ہوگا مگر وہ لوگ جو تکبّر سے اپنے تئیں اُونچا کریں اور مَیں تجھے
خصوصیّت کے ساتھ بچاؤں گا۔ خُدائے رحیم کی طرف سے تجھے سلام "۔

طاعون کی مصیبت سے لوگوں کو بچانے کے لئے حکومتِ وقت
نے طاعون کا ٹیکہ لگوانا شروع کیا۔ لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی جماعت
کو ٹیکہ کرانے سے منع کر دیا۔ تاکہ وہ نشان جو حضورؑ کی صداقت کے لئے مقرر
کیا گیا تھا مشتبہ نہ ہو جائے۔ چنانچہ حضورؑ نے ایک کتاب "کشتی نوح"
تصنیف فرمائی اور اس میں تحریر فرمایا :۔

" اُس نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تُو اور جو شخص تیرے گھر
کی چار دیواری کے اندر ہوگا اور وہ جو کامل پیروی اور اطاعت

اور سچے تقویٰ سے تجھ میں محو ہو جائے گا وہ سب طاعون
سے بچائے جائیں گے۔ اور ان آخری دنوں میں خدا کا یہ
نشان ہو گا تا وہ قوموں میں فرق کر کے دکھلا دے لیکن وہ
جو کامل طور پر پیروی نہیں کرتا وہ تجھ میں سے نہیں ہے اس
کے لئے مت دلگیر ہو یہ حکمِ الٰہی ہے جس کی وجہ سے ہمیں
اپنے نفس کے لئے اور ان سب کے لئے جو ہمارے گھر
کی چار دیواری میں رہتے ہیں ٹیکہ کی کوئی ضرورت نہیں۔"
(کشتی نوح صـ۲)

"میں بار بار کہتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ اس پیشگوئی کو ایسے
طور سے ظاہر کرے گا کہ ہر ایک طالب حق کو کوئی شک نہیں
رہے گا اور وہ سمجھ جائے گا کہ معجزہ کے طور پر خدا نے اس
جماعت سے معاملہ کیا ہے بلکہ بطور نشانِ الٰہی کے یہ نتیجہ ہو گا کہ
طاعون کے ذریعہ سے یہ جماعت بڑھے گی اور خارق عادت ترقی
کرے گی اور ان کی ترقی تعجب سے دیکھی جائے گی۔"
(کشتی نوح صـ۵)

غرض جیسا کہ کہا گیا تھا ویسا ہی وقوع میں آیا۔ لوگ حیرت سے مشاہدہ
کرتے تھے کہ احمدی اس بلا سے باوجود ٹیکہ نہ کرانے کے محفوظ رہتے ہیں۔
اگر کسی گھر کے چار افراد میں سے ایک احمدی ہوتا تو وہ بچ جاتا اور باقی تین
بیماری کا شکار ہو جاتے۔ طاعون کے کیڑے کس طرح فرق کرتے تھے۔ کہ

فلاں احمدی ہے اور فلاں نہیں ۔ لوگوں کے لئے یہ ایک حیرت انگیز امر تھا اور اس مشاہدہ کی وجہ سے لوگ کثرت سے اس جماعت میں شامل ہوئے ۔ گویا خدائے تعالیٰ کی فعلی شہادت نے یہ بات واضح کردی کہ وہ اس جماعت کے ساتھ ہے اور اس کو ترقی دینا چاہتا ہے ۔ پھر قادیان میں بھی حسب وعدہ اس مرض کی وہ شدت نہ ہوئی جو دوسرے قصبات اور شہروں میں ہوئی ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو خدا کے وعدوں پر کس قدر یقین تھا اس کا اندازہ اس امر سے ہوجاتا ہے کہ حضورؑ کے ایک مرید مولوی محمد علی صاحب ایم ۔ اے کو جو حضورؑ کے گھر کے ایک حصّہ میں رہتے تھے ۔ کچھ بخار ہوگیا اور انہیں خیال ہوُا کہ مرض طاعون کا حملہ ہے ۔ حضورؑ نے پورے وثوق سے فرمایا ۔ مولوی صاحب! اگر میرے گھر میں رہتے ہوُئے آپ کو طاعون ہوجائے تو سمجھئے کہ مَیں اپنے دعاوی میں جھوٹا ہوُں ۔ ان کا بخار جلد اُتر گیا اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ؎

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام از احادیث

پہلی حدیث

حدیث میں ہے اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا اٰيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِى النِّصْفِ مِنْهُ ۔ (دارقطنی ص۱۸۸)

ہمارے مہدی کی صداقت کے دو نشان ہیں اور جب سے خدا نے زمین و آسمان پیدا کئے یہ دو نشان کسی کے لئے ظاہر نہیں ہوئے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مہدی معہود کے زمانہ میں رمضان کے مہینہ میں چاند کو (گرہن کی راتوں ۱۳، ۱۴، ۱۵ میں سے) پہلی رات کو گرہن لگے گا۔ دوسرا نشان یہ ہے کہ اسی رمضان میں سورج گرہن کی تاریخوں (یعنی ۲۷، ۲۸، ۲۹) میں سے درمیانی تاریخ (یعنی ۲۸) کو گرہن لگے گا۔

حدیث کے الفاظ میں اَوَّلَ لَيْلَةٍ سے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ رمضان کی پہلی تاریخ کو گرہن لگے گا۔ کیونکہ پہلی رات کو تو علم ہیئت کی رُو سے گرہن لگتا ہی نہیں۔ دوسرے پہلی رات کے چاند کو عربی میں

ہلال کہتے ہیں لیکن حدیث میں "قمر" کے الفاظ ہیں۔ چاند تین راتوں کے بعد قمر کہلاتا ہے (دیکھو لغت کی کتاب المنجد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے چار پہلو ہیں۔

(۱) چاند کا گرہن کی مقررہ تاریخوں میں سے پہلی رات کو یعنی تیرھویں کو گرہن لگے گا۔ (۲) سورج گرہن کے مقررہ دنوں میں سے درمیانے دن یعنی اٹھائیسویں کو گرہن لگنا۔ (۳) دونوں گرہنوں کا ایک ہی رمضان میں وقوع پذیر ہونا۔ (۴) ایک مہدویت کے دعویدار کا موجود ہونا جس کی صداقت کے لئے یہ نشان ظاہر ہوں (تفصیل کے لئے دیکھئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب تحفہ گولڑویہ)۔

علم ہیئت کے مطالعہ اور گرہنوں کی تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کے مہینہ میں زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت سے لیکر ۱۸۹۴ء تک کبھی ان مقررہ تاریخوں میں سورج و چاند کو گرہن نہیں لگا۔ ایسا وقوعہ پہلی مرتبہ ۱۸۹۴ء میں ہوا جبکہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسّلام مدعی مہدویت موجود تھے

اور اس وقت ان کے سوا دُنیا میں کوئی مدعی مہدویت موجود نہیں تھا۔ یہ نشان ۱۸۹۴ء میں مشرقی نصف کرہ میں ظاہر ہوا۔ (دیکھو اخبار آزاد ۴ دسمبر ۱۸۹۴ء نیز اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ ۶ دسمبر ۱۸۹۴ء) پھر انہی شرائط کے ساتھ اگلے سال رمضان کے مہینہ میں ہی سورج اور چاند کو دوسری مرتبہ گرہن لگا۔ اور یہ گرہن دنیا کے مغربی نصف

کرّہ میں دیکھا گیا۔

خُدا ئے تعالیٰ نے اپنی فعلی شہادت سے یعنی سورج اور چاند کو مقررہ تاریخوں میں گرہن لگا کر ثابت کر دیا کہ (۱) ہمارے آقا سیّد و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی درست ہے اور چودہ سو سال قبل ایک اُمّی غیب کی ایسی خبر اپنے پاس سے بنا کر پیش نہیں کر سکتا تھا۔ یہ حضورؐ کی صداقت کا ایک بین نشان ہے (۲) حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اپنے دعاوی میں راست باز اور واقعی وہی مہدی ہیں جن کی رسُول اکرمؐ نے خبر دی تھی کیونکہ کوئی جھوٹا مدعی سورج اور چاند کو گرہن نہیں لگا سکتا۔

دوسری حدیث

پھر حدیث میں آتا ہے۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا۔ (ابوداؤد جلد ۲ ص۲۴۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ اس امّت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک مجدّد مبعوث فرمایا کریگا جو آکر دین کی تجدید کرے گا۔

سب استادانِ حدیث کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے اور خدائے تعالیٰ کی فعلی شہادت نے اس کے صحیح ہونے کو ثابت کر دیا ہے۔

چنانچہ اس پیشگوئی کے بموجب ہر صدی کے سر پر مجدّد ہوتے رہے۔
فہرست مجددین نواب صدیق حسن خانصاحب نے اپنی کتاب حجج الکرامہ کے صفحہ ۱۳۵ تا
صفحہ ۱۳۹ پر پیش کی ہے۔

چودھویں صدی کے آغاز پر ہی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مہدی اور مسیح ہونے کا دعویٰ کیا اور سورج و
چاند نے رمضان کی مقررہ تاریخوں میں گرہن ہو کر اس کی تصدیق کر دی
چنانچہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

آسماں میرے لئے تو نے بنایا اک گواہ
چاند اور سورج ہوئے میرے لئے تاریک و تار

پھر فرماتے ہیں ؎

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
مَیں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

تیسری حدیث

جب سورۃ جمعہ کی یہ آیت نازل ہوئی وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا
بِهِمْ (الجمعہ آیت ۴) اور اُن (یعنی صحابہ کرام رض) کے سوا ایک دوسری قوم میں
بھی وہ (یعنی اللہ) اس (رسول) کو بھیجے گا جو ابھی تک ان سے نہیں ملی۔
تو صحابہ رض نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ آخرین کون ہیں جن میں آپ ﷺ کی دوبارہ
بعثت ہوگی تو آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رض کے کندھے پر ہاتھ رکھکر فرمایا:۔

لَوْ كَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رَجُلٌ اَوْ رِجَالٌ مِّنْ فَارِسَ ۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ جمعہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۵)

اگر ایک وقت ایمان ثریّا تک بھی اُڑ گیا تو اہلِ فارس کی نسل میں سے ایک یا ایک سے زائد لوگ اسے واپس لے آئیں گے۔

اس حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے۔ جب ایمان دنیا سے اُٹھ کر ثریّا تک چلا جائیگا اس وقت اہل فارس کی نسل میں سے ایک شخص یا ایک سے زائد اشخاص ایسے ہوں گے جو دنیا میں پھر ایمان کو قائم کردیں گے اور ان کے ذریعہ ایک ایسی جماعت قائم ہوگی جو صحابہؓ کا نمونہ ہوگی اور اس رجل فارس کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ کا رنگ رکھے گا۔ گویا آنے والا حضورؐ کا ہی بروز ہوگا۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ حاجی برلاس جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مورثِ اعلیٰ تھے امیر تیمور صاحب قرآن کے چچا تھے اور برلاس قبیلہ سمرقند کے علاقہ میں آباد تھا جو ایران (یا فارس) کا ایک علاقہ ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی وہ رَجُل فارس ہیں جن کے ذریعہ ایمان دوبارہ دنیا میں قائم ہونا ازل سے مقدر تھا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ احمدیت جلد اوّل مؤلفہ مولوی دوست محمد صاحب شاہد) ؎

بابِ چہارُم

رُسوم و بدعات

بدرسُوم

خدائے تعالیٰ کے انبیاء ہمیشہ ایسے زمانہ میں آتے ہیں جب سچی توحید دنیا سے مٹ جاتی ہے اور مشرکانہ رسُوم مذہب کا درجہ اختیار کر لیتی ہیں۔ ان کا اور ان کے خلفاء کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ شریعت یعنی سچے دین کو دنیا میں قائم کریں اور جو زائد باتیں یا غلط امور بطور رسم اور بدعت لوگ اپنی طرف سے مذہب میں شامل کر دیتے ہیں ان کو مٹا دیں۔ یہی کام اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سپرد ہوا۔ آپ حکَم اور عدل بن کر تشریف لائے۔ اور آپ کے ذریعہ سے اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کا آغاز ہوا۔ آپ نے شریعتِ حقّہ اسلامیہ کو از سرِ نو قائم کیا۔ تمام بدرسوم کی نشاندہی کر کے اس کے خلاف جہاد کیا۔ اور امّتِ مُسلمہ کی صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کی۔ یہی کام حضور کے خلفاء کا رہا اور وہ بھی اپنے اپنے زمانہ میں مروّجہ رسوم کا قلع قمع کرنے میں مصروف رہے۔ موجودہ دَور میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نوراللہ مرقدہٗ نے بدرسُوم کے خلاف جہاد کا اعلان کرتے ہوئے ایک خطبۂ جمعہ میں فرمایا :۔

"ہماری جماعت کا پہلا اور آخری فرض یہ ہے کہ توحیدِ خالص کو اپنے نفسوں میں بھی اور اپنے ماحول میں بھی قائم کریں اور شرک کی سب کھڑکیوں کو بند کر دیں...... توحید

کے قیام میں ایک بڑی روک بدعت اور رسم ہے یہ ایک
حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر بدعت
اور ہر بد رسوم شرک کی ایک راہ ہے اور کوئی شخص جو توحیدِ
خالص پر قائم ہونا چاہے وہ توحیدِ خالص پر قائم نہیں ہو سکتا
جب تک وہ تمام بدعتوں اور تمام بدرسوم کو مٹا نہ دے۔
......۔ رسوم تو دنیا میں بہت سی پھیلی ہوئی ہیں۔...... لیکن
اس وقت اصولی طور پر ہر گھرانے کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ مَیں
ہر گھر کے دروازے پر کھڑا ہو کر اور ہر گھرانے کو مخاطب
کر کے بد رسوم کے خلاف جہاد کا اعلان کرتا ہوں۔ اور
جو احمدی گھرانہ آج کے بعد ان چیزوں سے پرہیز نہیں
کرے گا اور ہماری اصلاحی کوششوں کے باوجود اصلاح
کی طرف متوجہ نہیں ہوگا وہ یاد رکھے کہ خُدا اور اس کے
رسولؐ اور اس کی جماعت کو اس کی کچھ پرواہ نہیں
ہے۔ وہ اس طرح جماعت سے نکال کر باہر پھینک دیا
جائے گا جس طرح دُودھ سے مکھی۔ پس قبل اس کے کہ
خُدا کا عذاب کسی قہری رنگ میں آپ پر وارد ہو یا اس کا
قہر جماعتی نظام کی تعزیر کے رنگ میں آپ پر وارد ہو اپنی
اصلاح کی فکر کرو اور خُدا سے ڈرو اور اس دن کے عذاب
سے بچو کہ جس دن کا ایک لحظہ کا عذاب بھی ساری عمر

کی لذتوں کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے کہ اگر یہ لذتیں اور
عمریں قربان کر دی جائیں اور انسان اس سے بچ سکے تو
تب بھی مہنگا سودا نہیں سستا سودا ہے ۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳ رجون ۱۹۶۷ء)

اکثر بد رسوم جو اس وقت رائج ہیں خوشی کی تقاریب مثلاً بچے کی شادی بیاہ وغیرہ سے تعلق رکھتی ہیں یا موت فوت سے ۔ کچھ ایسی ہیں جو معتقدات سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان سب کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اور آپ کے خلفاء نے جو راہنمائی فرمائی اس کا کچھ ذکر درج ذیل ہے :۔

بچّے کی پیدائش سے متعلق رسُوم

بچے کی ولادت والدین کے لئے خوشی کا ایک اہم موقعہ ہوتا ہے اس موقعہ پر مناسب رنگ میں خوشی منانے سے اسلام نے منع نہیں کیا کیونکہ یہ ایک فطرتی جذبہ ہے ۔ اگر شکرانہ کے طور پر کچھ شیرینی وغیرہ تقسیم کی جائے تو حرج نہیں لیکن ڈھول ڈھما کا، ناچ گانا کسی طرح بھی جائز نہیں ۔ اسلامی طریق یہ ہے کہ ساتویں دن عقیقہ کیا جائے یعنی لڑکے کی صورت میں دو بکرے اور لڑکی کی صورت میں ایک بکرا ذبح کیا جائے نومولود کے بال منڈوائے جائیں ۔ لیکن اگر کسی کو عقیقہ کی توفیق نہیں تو ضروری نہیں ۔ بچے بالغ ہو کر خود بھی قربانی کر سکتے ہیں۔ قربانی کا گوشت

غرباء اور عزیز و اقارب میں تقسیم کیا جائے۔ خود بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ لڑکا ہو تو ختنہ بھی ساتھ ہی کروا دینا مناسب ہے۔

سالگرہ منانا

بچوں سے متعلق ایک رسم یہ ہے کہ ہر سال تاریخ پیدائش پر سالگرہ منائی جاتی ہے۔ دعوت کا اہتمام ہوتا ہے۔ تحفے تحائف پیش کئے جاتے ہیں اور بہت سارا پیسہ صرف کیا جاتا ہے۔ یہ بدعت اور رسم ہے جس سے اجتناب بہتر ہے۔

ناک کان چھدوانا۔ بودی رکھنا۔

بعض لوگ بچوں کے ناک کان چھدواتے اور بالی اور بلاق پہناتے ہیں یا پاؤں میں گھنگرو ڈالتے یا سر پر چوٹی سی رکھتے ہیں۔ یہ سب لغو اور غیر اسلامی رسوم ہیں جو غیر قوموں سے مسلمانوں میں آگئی ہیں۔ منّت کے طور پر جو سر پر بودی رکھتے ہیں اس کے بارے میں استفسار پر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے فرمایا:۔

"ناجائز ہے ایسا نہیں چاہیئے"۔ (ملفوظات جلد نہم صفحہ ۲۱۶)

شادی بیاہ سے متعلق رسوم

دَف بجانا:۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

"جو چیز بُری ہے وہ حرام ہے اور جو چیز پاک ہے وہ حلال ہے۔ خدا تعالیٰ کسی پاک چیز کو حرام قرار نہیں دیتا بلکہ تمام پاک چیزوں کو حلال فرماتا ہے۔ ہاں جب پاک چیزوں میں ہی بُری اور گندی چیزیں ملائی جاتی ہیں تو وہ حرام ہو جاتی ہیں۔ اب شادی کو دف کے ساتھ شہرت کرنا جائز رکھا گیا ہے لیکن اس میں ناچ وغیرہ شامل ہو گیا تو وہ منع ہو گیا اگر اسی طرح پر کیا جائے جس طرح نبی کریمؐ نے فرمایا تو کوئی حرام نہیں۔" (ملفوظات جلد نہم ص۴۸)

ناچ، گانا، بینڈ باجے اور آتشبازی

بیاہ شادی کی بد رسوم کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں :-

"ہماری قوم میں ایک یہ بھی بَد رسم ہے کہ شادیوں میں صدہا روپیہ کا فضول خرچ ہوتا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ شیخی اور بڑائی کے طور پر برادری میں بھاجی تقسیم کرنا اور اس کا دینا اور رکھانا یہ دونوں باتیں عند الشرع حرام ہیں اور آتشبازی چلانا اور رنڈیوں، بھڑووں ڈوم ڈھاریوں کو دینا حرام مطلق ہے۔ ناحق روپیہ ضائع جاتا ہے اور گناہ سر پر چڑھتا ہے سو اس کے علاوہ شرع شریف میں تو صرف اتنا حکم ہے کہ نکاح

کرنے والا بعد نکاح کے ولیمہ کرے یعنی چند دوستوں کو
کھانا پکا کر کھلا دیوے۔" (ملفوظات جلد نہم صفحہ ۶-۴۷)

باجا بجانے کے سلسلہ میں فرمایا :۔
"باجوں کا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھا۔ اعلانِ نکاح جس میں فسق و فجور نہ ہو جائز ہے۔"
(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۳۱۲)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا :۔
"بیاہ شادی کے موقع پر پاکیزہ اشعار عورتیں پڑھ سکتی ہیں پڑھنے والی مستاجرہ نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں۔"

یہ بھی فرمایا :۔
"صرف عورتوں کا عورتوں میں دُف کے ساتھ پاکیزہ گانا بھی منع نہیں ہے۔" (الفضل ۱۴ ؍جون ۱۹۳۸ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا :۔
"شادی کے موقعہ پر مہندی اور اس کے ساتھ متعلقہ جملہ رسم جو رائج ہیں ہمارے نزدیک غیر اسلامی ہیں۔ ہماری جماعت کو اس سے بچنا چاہیئے۔" (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۲ء صفحہ ۲۴)

جہیز دکھانا :۔

جہیز دکھانے کا جو طریق رائج ہے اس کے بارے میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

"لڑکیاں جب اپنی سہیلیوں کے جہیز وغیرہ کو دیکھتی ہیں تو پھر وہ بھی اپنے والدین سے ایسی ہی اشیاء لینا چاہتی ہیں۔ اور اس طرح کی نمائش گویا جذبات کو صدمہ پہنچانے والی چیز بن جاتی ہے۔ جو کچھ بھی دیا جائے بکسوں میں بند کر کے دیا جائے۔ ہمارے گھروں میں یہی طریق ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ وہ بکس جن کے حوالے کئے جائیں ان کو دکھا یا جائے کہ فلاں فلاں چیزیں موجود ہیں..... یہ نمائش نہیں بلکہ رسید ہے۔"
(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۲ء صفحہ ۲۴)

سہرا باندھنا

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سہرا باندھنے کے سلسلہ میں فرماتے ہیں :۔
"یہ تو آدمی کو گھوڑا بنانے والی بات ہے در اصل یہ رسم ہندوؤں سے مسلمانوں میں آئی ہے۔" (الفضل ۲ جنوری ۱۹۴۲ء)

نیز فرمایا :۔
"سہرے کا طریق بدعت ہے۔" (ایضاً)

بڑے بڑے مہر رکھوانا

ایسے مہر مقرر کرانا جو انسان کی حیثیت اور طاقت سے باہر ہوں ایک رسم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے :۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ۔ اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا ۔ پس محض نام و نمود کیلئے بڑے بڑے مہر نہیں رکھنے چاہئیں ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ چھ ماہ سے لیکر ایک سال کی آمدنی کے برابر مہر رکھا جا سکتا ہے۔

مہر بخشوانا

ہمارے ملک میں عورت بڑی مظلوم ہے اس کا حق مہر ادا نہیں کیا جاتا بلکہ کئی دفعہ مرتے وقت عورتوں سے بخشوا لیا جاتا ہے ۔ عورت بھی جانتی ہے کہ مہر ملنا تو ہے نہیں اس لئے وہ مُفت کا احسان خاوند پر کر دیتی ہے۔ ایک دوست نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضور ایک عورت اپنا مہر نہیں بخشتی ۔ آپؑ نے فرمایا :-

"یہ عورت کا حق ہے اسے دینا چاہیئے ۔ اوّل تو نکاح کے وقت ہی ادا کر دے ورنہ بعد ازاں ادا کر دینا چاہیئے۔"

(ملفوظات جلد ششم صفحہ ۳۹۱)

موٹر ، سکوٹر ، بھاری جہیز کا مطالبہ

آجکل تعلیم یافتہ طبقہ میں یہ ایک رسم ہو گئی ہے کہ لڑکی والوں سے موٹر یا سکوٹر کا مطالبہ کیا جاتا ہے یا بھاری جہیز کی خواہش کی جاتی ہے یہ سب رسوم ہیں ۔ لڑکی والوں پر غیر ضروری بوجھ ڈالنا غیر اسلامی طریق ہے ۔ یہ ایک لحاظ سے شادی کی قیمت طلب کی جاتی ہے جو بالکل نا واجب

اور غیر پسندیدہ ہے۔

موت فوت سے متعلق رسُوم

رونا پیٹنا:۔ موت فوت سے متعلق جو بد رسوم رائج ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ روتے پیٹتے اور چلّا چلّا کر ہائے ہائے کرتے ہیں۔ عورتیں خصوصیت سے سیاپا کرتی ہیں جب رشتہ دار یا ہمسائے ماتم پرسی کے لئے آتے ہیں تو عورتیں ہر نئی آنے والی کے گلے میں ہاتھ ڈال کر روتی پیٹتی ہیں۔ پھر بعض لوگ ایک ایک مہینہ یا ایک ایک سال تک سوگ مناتے ہیں یہ سب باتیں ممنوع ہیں۔ اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"ماتم کی حالت میں جزع فزع اور نوحہ یعنی سیاپا کرنا اور چیخیں مار کر رونا اور بے صبری کے کلمات منہ پر لانا یہ سب ایسی باتیں ہیں جن کے کرنے سے ایمان کے جانے کا اندیشہ ہے اور یہ سب رسمیں ہندوؤں سے لی گئی ہیں ...... اگر رونا ہو تو صرف آنکھوں سے آنسو بہانا جائز ہے اور جو اس سے زیادہ ہے وہ شیطان سے ہے۔"

پھر فرماتے ہیں:۔

"اپنی شیخی اور بڑائی جتلانے کے لئے صدہا روپیہ کا پلاؤ اور زردہ پکا کر برادری وغیرہ میں تقسیم کیا جاتا ہے اس غرض سے کہ تا لوگ واہ واہ کریں...... سو یہ سب شیطانی

طریق ہیں جن سے توبہ کرنا لازم ہے"۔

(اشتہار بغرض تبلیغ و انذار)

قُل

اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں :-

" قُل خوانی (جو مرنے والے کی وفات کے بعد تیسرے دن کی جاتی ہے) اس کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے ......
صحابہ کرامؓ بھی فوت ہوئے کیا کبھی ان کی وفات پر کسی نے قُل پڑھے؟ صدہا سال کے بعد دوسری بدعتوں کی طرح یہ بھی ایک بدعت نکل آئی ہے"۔ (اخبار بدر ۱۹۰۲ء)

فاتحہ خوانی

کسی کے مرنے کے بعد چند روز لوگ ایک جگہ جمع ہوتے اور فاتحہ خوانی یعنی دُعائے مغفرت کرتے ہیں اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

" پھر یہ سوال ہے کہ آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام و ائمہ عظام میں سے کسی نے یوں کیا؟ جب نہیں کیا تو کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ بدعات کا دروازہ کھولنے کی؟ ہمارا مذہب تو یہی ہے کہ اس رسم کی کچھ ضرورت نہیں ناجائز ہے۔ جو جنازہ میں شامل ہو سکیں وہ اپنے طور پر دُعا کریں یا جنازہ غائب پڑھیں"۔

(ملفوظات جلد نہم ص ۱۷۰)

چہلم

ایک رسم چہلم کی ہے یعنی کسی عزیز کی وفات کے چالیسویں دن مجلس ہوتی ہے اور کھانا پکا کر مرنے والے کے نام پر لوگوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس بارے میں حضورؑ نے فرمایا:۔

"یہ رسم نبی کریمؐ اور صحابہ کی سنّت سے باہر ہے۔"

(اخبار بدر ۱۴ فروری ۱۹۰۷ء)

ختم قرآن

ختم قرآن سے مراد وہ رسمی قرآن خوانی ہے جو کسی فوت ہونے والے کو ثواب پہنچانے کی غرض سے حلقہ باندھ کر گھروں میں یا قبروں پر کی جاتی ہے۔ اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے فرمایا:۔

"مُردہ پر قرآن ختم کرنے کا کوئی ثبوت نہیں صرف دُعا اور صدقہ میّت کو پہنچتا ہے۔"

(اخبار بدر ۱۴ مارچ ۱۹۰۴ء)

نیز فرمایا:۔

"قرآن شریف جس طرز سے حلقہ باندھ کر پڑھتے ہیں یہ سنّت سے ثابت نہیں۔ مُلّاں لوگوں نے اپنی آمد کے لئے یہ رسمیں جاری کی ہیں۔"

(الحکم ۱۰ نومبر ۱۹۰۷ء بحوالہ الفضل ۱۲ مئی ۱۹۴۰ء)

مُردوں کو ثواب پہنچانے کے لئے کھانا پکانا

بعض لوگ کسی وفات یافتہ عزیز کی رُوح کو ثواب پہنچانے کی نیت سے ایک خاص دن مقرر کرکے لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں بعض لوگ متواتر چالیس دن تک کھانا کھلاتے ہیں۔ اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا ارشاد ہے:۔

"طعام کا ثواب مُردوں کو پہنچتا ہے۔ گذشتہ بزرگوں کو ثواب پہنچانے کی خاطر اگر طعام پکا کر کھلایا جائے تو یہ جائز ہے۔ لیکن ہر ایک نیّت پر موقوف ہے۔ اگر کوئی شخص اس طرح کے کھانے کے واسطے کوئی خاص تاریخ مقرر کرے اور ایسا کھانا کھلانے کو اپنے لئے قاضی الحاجات خیال کرے تو یہ ایک بُت ہے اور ایسے کھانے کا لینا دینا سب حرام اور شرک میں داخل ہے"۔

(اخبار بدر ۱۸ اگست ۱۹۰۷ء)

عُرس منانا

آجکل خانقاہوں پر عُرس منانے کا بڑا رواج ہے ان موقعوں پر قبروں کے طواف کئے جاتے ہیں ان پر غلاف چڑھائے جاتے ہیں، قبروں کو بوسہ دیا جاتا ہے۔ عورتیں اور مرد ناچتے ہیں۔ خانقاہوں کو خوب سجایا جاتا ہے۔ طوائفیں بلوا کر گیت سُنے جاتے ہیں اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔

"شریعت تو اس بات کا نام ہے کہ جو کچھ آنحضرتؐ نے دیا ہے اُسے لے لے۔ اور جس بات سے منع کیا ہے اُس سے ہٹے۔ لوگ

اس وقت قبروں کا طواف کرتے ہیں۔ ان کو مسجد بنایا ہوا ہے۔ عُرس وغیرہ ایسے جلسے نہ منہاجِ نبوت ہے نہ طریقِ سُنّت ہے۔"

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۱۶۵)

بارہ وفات

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں:-

"ایسے عُرس میں خواہ نبی کریمؐ کا ہی ہو بدعت نظر آتی ہے۔ .....خود مرزا صاحب مغفور (مراد حضرت مسیح موعود علیہ السّلام۔ ناقل) نے کبھی بارہ وفات کا جلسہ اپنے گھر میں ہرگز نہیں کیا۔ غرض میں اپنی زندگی میں چند دنوں کے لئے بدعات کو گوارا نہیں کرسکتا۔ اور ایسے امور میں بدعات کے خطرناک زہروں سے بچنے کا لحاظ رکھو۔" (۲۸/۲ فروری ۱۹۱۳ء)

مولود خوانی

ایک شخص نے مولود خوانی کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام سے سوال کیا۔ حضورؑ نے فرمایا:-

"آنحضرتؐ کا تذکرہ بہت عمدہ ہے بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی یاد سے رحمت نازل ہوتی ہے اور خود خُدا نے بھی انبیاء کے تذکرہ کی ترغیب دی ہے لیکن اگر اس کے ساتھ ایسی بدعات مل جائیں جن سے توحید میں خلل واقع ہو تو وہ جائز نہیں۔"

نیز فرمایا :۔

"مولود کے وقت کھڑا ہونا جائز نہیں۔ ان اندھوں کو اس بات کا علم ہی کب ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح آگئی ہے بلکہ ان مجلسوں میں تو طرح طرح کے بدطینت اور بدمعاش لوگ ہوتے ہیں وہاں آپ کی رُوح کیسے آسکتی ہے اور کہاں لکھا ہے کہ رُوح آتی ہے۔"
(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۲۱۱-۲۱۲)

قبر پر پھول چڑھانا

بعض لوگ قبروں پر پھول رکھتے یا پھولوں کی چادر چڑھاتے ہیں۔ اس بارے میں حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ، نے فرمایا ۔

"اس سے میّت کی رُوح کو کوئی خوشی نہیں ہو سکتی اور یہ ناجائز ہے اس کا کوئی اثر قرآن و حدیث سے ثابت نہیں اس کے بدعت اور لغو ہونے میں کوئی شک نہیں۔"
(بدر ۱۲ر اگست ۱۹۰۹ء)

نذر و نیاز کے لئے قبرستان جانا اور پختہ قبریں بنانا

اس بارے میں حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ السّلام کا ارشاد ہے :۔

"نذر و نیاز کے لئے قبروں پر جانا اور وہاں جاکر منتیں مانگنا درست نہیں ہے۔ ہاں وہاں جاکر عبرت سیکھے اور اپنی موت کو یاد کرے تو جائز ہے۔ قبروں کے پختہ بنانے کی ممانعت ہے۔ البتہ اگر میّت

کو محفوظ رکھنے کی نیّت سے ہو تو حرج نہیں ہے ۔یعنی ایسی جگہ جہاں سیلاب وغیرہ کا اندیشہ ہو اور اس میں بھی تکلفات جائز نہیں ہیں۔“ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۴۳۳)

قبروں پر چراغ جلانا

ایک رسم جہالت کی یہ بھی ہے کہ بعض لوگ بزرگوں کے مزار پر رات کو چراغ جلاتے ہیں ۔ یہ ہندوانہ اور مشرکانہ بدعت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے ۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ ۔ (ترمذی)

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی اور ان پر جو قبروں پر مسجدیں بناتے اور ان پر چراغ جلاتے ہیں ۔

پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا پھر آپؐ نے اس غرض سے اجازت دی کہ بندہ موت کو یاد کرکے خدا اور آخرت کی طرف رجوع کرے ۔عورتوں کو ان امور کے بارے میں خاص احتیاط کرنی چاہیئے ۔بسا اوقات وہ کم علمی کی وجہ سے ان باتوں میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتیں ۔

جس کے ہاں ماتم ہو اس کے ساتھ ہمدردی

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام سے سوال کیا گیا۔

"کیا یہ جائز ہے کہ جب کار قضاء کسی بھائی کے گھر میں ماتم ہو جائے تو دوسرے دوست اپنے گھر میں اس کا کھانا تیار کریں۔"

حضورؑ نے فرمایا:۔

"نہ صرف جائز بلکہ برادرانہ ہمدردی کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ ایسا کیا جائے۔"

(ملفوظات جلد نہم صفحہ ۳۰۴)

نصف شعبان کا حلوا

ایک رسم یہ جاری ہے کہ شعبان کے مہینہ میں حلوا بناتے اور تقسیم کرتے ہیں۔ اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔

"یہ رسوم حلوا وغیرہ سب بدعات ہیں۔"

(ملفوظات جلد نہم صفحہ ۳۹۴)

عاشورہ محرم کے تابوت اور محفل

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ محرم پر جو لوگ تابوت

بناتے ہیں اور محفل کرتے ہیں اس میں شامل ہونا کیسا ہے؟
حضورؑ نے فرمایا کہ:۔
"گناہ ہے" (ملفوظات جلد نہم صفحہ ۴۳۶)

قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل نے سوال کیا کہ محرم کی دسویں کو جو شربت اور چاول وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔ اگر یہ للہ بہ نیت ایصالِ ثواب ہو تو اس کے متعلق حضورؑ کا کیا ارشاد ہے۔ فرمایا:۔

"ایسے کاموں کے لئے دن اور وقت مقرر کر دینا ایک رسم و بدعت ہے اور آہستہ آہستہ ایسی رسمیں شرک کی طرف لے جاتی ہیں۔ پس اس سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ ایسی رسموں کا انجام اچھا نہیں۔ ابتداء میں اسی خیال سے ہو مگر اب تو اس نے شرک اور غیر اللہ کے نام کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ اس لئے ہم اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ جب تک ایسی رسوم کا قلع قمع نہ ہو عقائدِ باطلہ دُور نہیں ہوتے"

(ملفوظات جلد نہم صفحہ ۲۱۴)

تسبیح کا استعمال

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ چلتے پھرتے اور مجلس میں بیٹھے تسبیح کے دانے گنتے رہتے ہیں۔ اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ گویا وہ

ہر لحظہ ذکرِ الٰہی میں مصروف ہیں۔ اس بارے میں حضورؒ نے فرمایا :۔

"تسبیح کرنے والے کا اصل مقصود گنتی ہوتا ہے اور وہ اس گنتی کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ یا تو وہ گنتی پوری کرے اور یا توجہ کرے۔ اور یہ صاف بات ہے کہ گنتی کو پوری کرنے کی فکر کرنے والا سچی توبہ کر ہی نہیں سکتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور کاملین لوگ جن کو اللہ تعالےٰ کی محبت کا ذوق ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے عشق میں فنا شدہ ہوتے ہیں انہوں نے گنتی نہیں کی اور نہ اس کی ضرورت سمجھی"۔

(ملفوظات جلد ہفتم ص۱۸)

تعویذ گنڈے

فقراء اور صوفیاء کا ایک طریق یہ ہے کہ بیماریوں سے شفا یابی، مشکلات کے دور ہونے، خوشحالی کے حصول اور مقاصد میں کامیابی کے لئے یا سفر وغیرہ میں محفوظ رہنے کیلئے امام ضامن باندھتے ہیں۔ یا تعویذ لکھ کر دیتے ہیں۔ اور قسما قسم کی قربانیاں کرنے کے لئے کہتے ہیں اور مختلف قسم کے عمل بتلاتے ہیں۔ جو نہایت مضحکہ خیز ہوتے ہیں۔ خود ہی کچھ وہم دلوں میں پیدا کرتے ہیں۔ اور پھر ان کا علاج تجویز کرتے ہیں جہلاء کا تو ذکر کیا اچھے پڑھے لکھے

اور سمجھدار لوگ تعویذوں پر اعتقاد رکھتے اور گلے میں ڈالتے ، یا بازوؤں پر باندھتے ہیں ۔ اسی طریق کے مطابق ایک دن رام پور کے ایک شخص نے کچھ حاجات تحریری طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیں ۔ حضورؑ نے فرمایا :۔

" اچھا ہم دُعا کریں گے ۔"

وہ شخص حیران ہو کر پوچھنے لگا ۔ آپ نے میری عرضداشت کا جواب نہیں دیا ۔ حضورؑ نے فرمایا :۔

" ہم نے تو کہا ہے کہ ہم دُعا کریں گے ۔"

اس پر وہ شخص کہنے لگا ۔ حضور کوئی تعویذ نہیں کیا کرتے ؟ حضورؑ نے فرمایا :۔

" تعویذ گنڈے کرنا ہمارا کام نہیں ۔ ہمارا کام تو صرف اللہ تعالےٰ کے حضور دُعا کرنا ہے ۔"

(ملفوظات جلد دہم صـ۲۰۳)

تمباکو نوشی

آجکل سگریٹ نوشی عام ہے اور فیشن میں داخل ہے ۔ کثرتِ استعمال کے باعث اس کو ضروری سمجھ لیا گیا ہے اور نقصان کے پہلو کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے ۔ اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات درج ذیل ہیں ۔ حضورؑ فرماتے ہیں :۔

۱۔ "انسان عادت کو چھوڑ سکتا ہے بشرطیکہ اس میں ایمان ہو اور بہت سے ایسے آدمی دنیا میں موجود ہیں جو اپنی پرانی عادت کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ جو ہمیشہ شراب پیتے چلے آئے ہیں بڑھاپے میں آکر جبکہ عادت کو چھوڑنا خود بیمار پڑنا ہوتا ہے بلا کسی خیال کے چھوڑ بیٹھتے ہیں اور تھوڑی سی بیماری کے بعد اچھے بھی ہو جاتے ہیں۔ مَیں حُقّہ کو منع کہتا اور ناجائز قرار دیتا ہوں مگر ان صورتوں میں کہ انسان کو کوئی مجبوری ہو۔ یہ ایک لغو چیز ہے اور اس سے انسان کو پرہیز کرنا چاہیئے۔"

(بدر ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء)

۲۔ "تمباکو کے بارے میں اگرچہ شریعت نے کچھ نہیں بتایا لیکن ہم اسے اس لئے مکروہ خیال کرتے ہیں کہ اگر پیغمبرِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتا تو آپ اس کے استعمال کو منع فرماتے۔"

(بدر ۲۴ جولائی ۱۹۰۳ء)

سینما تھیئٹر

مغربی ممالک میں جو بے راہ روی پیدا ہو چکی ہے اور فحاشی جس

حد تک ان کے معاشرہ میں سرایت کر چکی ہے موجودہ دَور میں ان کے مناظر سینما کے پردہ پر دکھائے جاتے ہیں جو نئی نسل میں مذہب سے دوری اور بداخلاقی کا میلان پیدا کرتے ہیں۔ روپیہ اور وقت کا ضیاع اس کے علاوہ ہے انہی خرابیوں کے پیشِ نظر حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جو ہدایات جاری فرمائیں ان میں سے چند بطور نمونہ درج ہیں۔ فرمایا:۔

۱۔ "اس کے متعلق مَیں جماعت کو حکم دیتا ہوں کہ کوئی احمدی سینما، سرکس، تھیئٹر وغیرہ غرضیکہ کسی تماشے میں بالکل نہ جائے اور اس سے بکلّی پرہیز کرے۔ ہر مخلص احمدی جو میری بیعت کی قدر و قیمت سمجھتا ہے اس کے لئے سینما یا کوئی اور تماشہ وغیرہ دیکھنا یا کسی کو دکھانا جائز نہیں۔"

۲۔ "سینما کے متعلق میرا خیال ہے کہ اس زمانہ کی بدترین لعنت ہے۔ اس نے سینکڑوں شریف گھرانوں کے لڑکوں کو گویّا اور سینکڑوں شریف گھرانوں کی لڑکیوں کو ناچنے والی بنا دیا ہے اور سینما ملک کے اخلاق پر ایسا تباہ کن اثر ڈال رہے ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ میرا منع کرنا تو الگ رہا اگر مَیں ممانعت نہ کروں تو بھی مومن کی رُوح کو خود بخود اس

سے بغاوت کرنی چاہیئے۔"

(مطالبات ص۲۷ تا ص۴۱)

اس زمانہ میں ٹیلی ویژن کی وجہ سے سینما جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے ڈرامے دیکھے جا سکتے ہیں۔ سینما اور ٹیلی ویژن اپنی ذات میں تو بُرے نہیں لیکن اس زمانہ میں ان کا نقصان نفع سے زیادہ ہے اور خرابیوں کے پھیلانے کا ایک اہم ذریعہ بن گئے ہیں اس لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ پورا کنٹرول ہو اور لغو نظاروں کے دیکھنے میں وقت نہ ضائع کیا جائے۔ حضرت امیرالمؤمنین نے جو کچھ سینما کے بارے میں ارشاد فرمایا وہی ٹیلی ویژن کی فلموں، ڈراموں اور نظاروں پر بھی صادق آتا ہے۔

ٹیڈی ازم اور فیشن پرستی

موجودہ دَور کچھ ایسا ہے کہ لوگ ایکٹروں اور ایکٹرسوں کو جس شکل اور جس لباس میں دیکھتے ہیں اس کی نقل کرنے لگتے ہیں اور یہ نقالی ایک رَو کی طرح ملک میں پھیل جاتی ہے۔ عورتوں میں ناخن بڑھانے کا فیشن وبا کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اور یہ سب مغربی تہذیب کی نقالی ہے۔

ایک مجلس مشاورت کے موقعہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نوراللہ مرقدہٗ نے فرمایا:۔

"ٹیڈی اِزم، فیشن پرستی کے خلاف بڑی بھاری اکثریت کی رائے ہے۔ ہمارے احمدی نوجوانوں کی اکثریت ایسی ہے جو یہ چیزیں پسند نہیں کرتی۔ اِلاَّ ماشاء اللہ۔ بعض ایسے بھی ضرور ہیں جو اس رَو میں بہہ رہے ہیں ان کو ہمیں سنبھال لینا چاہیئے۔ یہ اس قسم کا پیچیدہ مسئلہ نہیں جو حل نہ ہو سکے۔ لیکن یہ احساس جماعت میں ہر وقت بیدار رہنا چاہیئے کہ ہم سادہ اور بے تکلّف زندگی بسر کرنے والی قوم ہیں ہم ان بداثرات کو اپنے ماحول میں نہیں گھسنے دیں گے۔"

باب پنجم ۵
سیرت

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

پیدائش، بچپن اور جوانی

مقدس بانیٔ اسلام سیّدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آج سے قریباً چودہ سو سال قبل ۲۰ اپریل ۵۷۱ء مطابق ۹ ربیع الاوّل[1] بروز دو شنبہ مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپؐ قبیلہ قریش کی مشہور شاخ بنو ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔ والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ تھا۔ والدِ محترم آپؐ کی پیدائش سے قبل ہی فوت ہو گئے اور آپؐ یتیم رہ گئے۔ اس طرح آپؐ کی پرورش کی عظیم ذمّہ داری آپؐ کے دادا اور مکہ کے سردار عبدالمطلب نے سنبھالی۔ ابھی ۶ ماہ کے تھے کہ مکہ کے دستور کے مطابق پرورش کے لئے آپؐ کو مائی حلیمہ کے سپرد کیا گیا اور حضورؐ ان کے گھر چار پانچ برس تک رہے۔

---

[1]: ۔ سیرۃ النبیؐ مصنفہ علامہ شبلی نعمانی جلد اوّل صفحہ ۱۷۱۔ تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ شاہ معین الدین ندوی نے تاریخ اسلام جلد اوّل میں ۹ ربیع الاوّل مطابق اپریل ۵۷۱ء لکھی ہے۔ سیّد امیر علی نے تاریخ اسلام میں ۲۹ اگست ۵۷۰ء لکھی ہے فلپ ہٹی نے ۵۷۱ء لکھا ہے۔ مشہور مصری ہیئت دان محمود پاشا فلکی کی تحقیق جدید کی رُو سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۹ ربیع الاوّل بروز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی۔

جب سوا چھ برس کے ہُوئے تو مادرِ مشفق کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا - پھر آپؐ اپنے دادا کی کفالت میں آ گئے جنہوں نے نہایت محبّت و پیار سے آپؐ کی پرورش کی - ابھی دو۲ سال بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ دادا بھی رحلت فرما گئے - دادا کی خواہش کے مطابق آپؐ کے چچا ابوطالب نے آپؐ کو اپنی آغوشِ تربیت میں لے لیا - اور نہایت محبّت و پیار اور توجّہ سے آپؐ کی خبرگیری کی -

بارہ برس کی عمر میں آپؐ نے اپنے شفیق چچا ابوطالب کے ساتھ شام کا پہلا سفر کیا - آپؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے تاہم کاروبار کے طور طریقوں سے خوب واقف ہو گئے - بچپن سے ہی آپؐ کی طبیعت میں نیکی ، پاکیزگی ، دیانت اور امانت اور خوش خلقی پائی جاتی تھی - لین دین کے کھرے اور سچائی کے پابند تھے - اسی وجہ سے آپؐ صادق اور امین کہلاتے تھے - انہی پاکیزہ خصائل کی وجہ سے مکّہ کی ایک مالدار بیوہ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ سے شادی کر لی - اس شادی کے وقت آنحضورؐ کی عمر پچیس ۲۵ برس اور حضرت خدیجہؓ کی چالیس ۴۰ سال تھی - حضرت خدیجہؓ کی اولاد میں حضرت فاطمہؓ سب سے زیادہ مشہور رہیں -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے بعد حضورؐ فارغ البال ہو گئے آپؐ اپنی دولت غریبوں ، مسکینوں اور محتاجوں کی اعانت میں صرف کیا کرتے - اپنے

فراغت کے اوقات عبادت اور ذکرِ الٰہی میں صرف کیا کرتے۔ مکّہ کے قریب ایک پہاڑی کی کھوہ تھی جسے غارِ حرا کہتے ہیں۔ آپؐ اکثر وہاں جاکر تنہائی میں عبادت کرتے اور کئی کئی دن تک وہاں ذکرِ الٰہی اور دعاؤں میں مصروف رہتے۔

جب آنحضورؐ چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو تاجِ رسالت سر پر رکھا گیا اور رمضان کے مبارک مہینہ میں وحیٔ رسالت سے آپؐ سرفراز کئے گئے۔ سب سے پہلی وحی جو آپؐ پر نازل ہوئی وہ یہ تھی:-

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ

جب حکم ملا کہ خاندان اور قوم کو بُت پرستی سے روکیں تو آنحضورؐ نے خاموشی سے تبلیغ شروع کی۔ تین سال بعد اعلانیہ تبلیغ شروع ہوگئی اور آپؐ نے پہلے مکّہ والوں کو توحید کا پیغام پہنچایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ مسلمان ہوجاتے ان پر کفّار سختیاں کرنے لگے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی ایذائیں دی گئیں حتّٰی کہ آپؐ کو اپنے خاندان سمیت تین سال تک ایک گھاٹی میں جسے شعب ابو طالب کہتے ہیں محصور رہنا پڑا۔ جہاں مکمل طور پر آپ کا بائیکاٹ رہا۔ آپؐ کے چچا ابو طالب جب تک زندہ رہے وہ آپ کی ہر طرح امداد و حمایت کرتے رہے۔ لیکن نبوّت کے دسویں سال ابو طالب کی وفات پر یہ بند بھی ٹوٹ گیا اور قریش کی شرارتوں میں اور اضافہ ہوگیا۔

مدینہ کی طرف ہجرت

جب مکّہ میں ایذا رسانیاں انتہاء کو پہنچ گئیں اور قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مل کر قتل کرنے کا فیصلہ کیا تو نبوّت کے تیرھویں سال حضورؐ خدائے تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابوبکرؓ کی معیّت میں رات کے وقت مکّہ سے نکلے اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے مکّہ سے چار پانچ میل دُور غارِ ثور میں حضورؐ نے تین دن قیام فرمایا اور پھر مدینہ چلے گئے ۔ جو لوگ مدینہ میں رہتے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے وہ انصار کہلائے ۔ جو مسلمان ایذا رسانیوں سے بچنے کے لئے مدینہ میں آ جمع ہُوئے وہ مہاجر کہلائے ۔ انصار نے مہاجرین کو اپنے گھروں میں پناہ دی اور آنحضرتؐ نے دونوں میں بھائی چارہ قائم کر دیا ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد دس سال زندہ رہے ۔ جب قریشِ مکّہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کو مدینہ میں امن حاصل ہو گیا ہے تو انہوں نے متعدد بار مسلمانوں پر چڑھائی کی اور فوجی طاقت سے اسلام کو مٹانا چاہا ۔ مسلمان بھی خود حفاظتی کے لئے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے ۔ چنانچہ مسلمانوں اور کفار کے درمیان کئی خونریز معرکے ہُوئے جن میں جنگِ بدر ، جنگِ اُحد اور جنگِ احزاب بہت مشہور ہیں ۔ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی تعداد صرف ۳۱۳ تھی اور کفّار کی تعداد ایک ہزار تھی ۔ جنگِ اُحد میں جو جنگِ بدر کے تین سال بعد ہوئی مسلمانوں کی تعداد ... ۷ اور دشمن کی تعداد تین ہزار تھی ۔ اللہ تعالیٰ

نے مسلمانوں کو کامیابی عطا کی ۔ ۵ھ میں یہودیوں نے جن کو ان کی شرارتوں اور بدعہدیوں کی وجہ سے مدینہ سے باہر نکال دیا گیا تھا قریشِ مکّہ کو پھر جنگ کے لیئے اکسایا اور دوسرے قبائل کو بھی جنگ پر آمادہ کیا ۔ اس کوشش کے نتیجہ میں دس ہزار کا جرار لشکر مدینہ پر حملہ آور ہوا ۔ آنحضورؐ نے شہر کی حفاظت کے لیئے اردگرد خندق کھدوائی ۔ قریبًا ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ رہا ۔ پھر خدا کی نصرت اس رنگ میں آئی کہ ایک رات تیز آندھی آئی اور جو احزاب مدینہ کے گرد خیمے ڈالے پڑے تھے ان کی روشنیاں بجھ گئیں اور دلوں میں خوف طاری ہو گیا ۔ پھر سارے گروہ (احزاب) ایک ایک کر کے بھاگ گئے اور اپنے ارادوں میں ناکام رہے ۔ یہ جنگ احزاب اور جنگِ خندق کہلاتی ہے ۔

صلح حُدیبیہ

۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رؤیا کی بناء پر خانہ کعبہ کی زیارت (عمرہ) کا ارادہ کیا اور مکّہ کی طرف روانہ ہوئے ۔ حضورؐ کے ہمراہ چودہ سو صحابہؓ کی ایک جماعت تھی ۔ حُدیبیہ کے مقام پر قریش نے آپؐ کا راستہ روک لیا ۔ بالآخر مسلمانوں اور قریش میں ایک معاہدہ طے پایا جو صلح حُدیبیہ کے نام سے مشہور ہے ۔ اس معاہدہ کی بناء پر حضورؐ مدینہ واپس آ گئے ۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دب کر صُلح کر لی ہے لیکن درحقیقت اس کے

نتیجہ میں فتح مکّہ کا راستہ صاف ہو گیا اور سیاسی طور پر مسلمانوں کو ایک الگ قوم تسلیم کر لیا گیا۔

بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط

جب صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں دس سال تک پُر امن رہنے کا کفّار سے معاہدہ ہو گیا تو حضورؐ نے دنیا کے مختلف حصوں میں جو سلاطین رہتے تھے ان کو خطوط کے ذریعہ پیغامِ حق پہنچایا۔ چنانچہ قیصرِ روم، کسریٰ پرویز شاہِ ایران، مقوقس سلطانِ مصر، ملک حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو اسلام کی دعوت دی گئی۔ اسی طرح بحرین، بصرہ اور یمامہ کے حکمرانوں کو بھی خطوط لکھے۔

فتح مکّہ

صلح حدیبیہ کی رُو سے دس سال تک جنگ بند رکھنے کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ لیکن ۸ھ میں خود مکّہ والوں نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدسیوں (صحابہ) کو ساتھ لے کر مکّہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ قریش کو اس لشکر کے آنے کا اس وقت علم ہوا جب وہ مکّہ کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ ابوسفیان نے جو مکّہ کا سردار تھا اتنا بڑا لشکر دیکھا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے اور اسلام کا رُعب اس کے دل میں بیٹھ گیا۔ حضرت عباسؓ کے کہنے پر اس نے

اسلام قبول کرلیا۔ اسلامی لشکر فاتحانہ انداز میں مکہ میں داخل ہوا اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ۔ (آج تم
پر کوئی الزام نہیں) کہہ کر عام معافی کا اعلان فرما دیا اور عفو و درگذر کی
ایسی مثال قائم کردی جس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی۔ فتح مکہ کے بعد
اسلام بڑی تیزی سے سارے عرب میں پھیل گیا۔ تاہم فتح مکہ کے بعد بھی
آپؐ کو بعض غزوات پیش آئے جن میں غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک
زیادہ معروف ہیں۔

وصال

ہجرت کے بعد صرف ایک مرتبہ یعنی ہجرت کے دسویں سال
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا جو حجۃ الوداع کہلاتا ہے۔
آپؐ نے اس موقعہ پر ایک خطبہ دیا اور بطور وصیت آخری
نصائح فرمائیں۔ پھر آپؐ حج سے فارغ ہو کر واپس مدینہ تشریف لے
گئے۔ مدینہ آکر مرض الموت میں مبتلا ہو گئے اور ۲۶[1] مئی ۶۳۲ء مطابق

---

[1]: ۔ تاریخ احمدیت جلد سوم ص۵۵۵ حاشیہ۔ اخبار جنگ کراچی ۲۸ ستمبر ۱۹۷۵ء ص۔ ڈاکٹر محمد
شہید اللہ صاحب پروفیسر راجشاہی بنگلہ دیش کی تحقیق جدید کے مطابق آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا یوم وصال یکم ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۲۶ مئی ۶۳۲ء قرار پاتا ہے۔

محمد مختار باشاہی ماہر فلکیات کی کتاب "التوفیقات الالہامیہ" ص۶ کی رو سے یکم
ربیع الاول ۱۱ھ کی تاریخ ۲۶ مئی کی بجائے ۲۷ مئی بنتی ہے۔ ۲۶ مئی ہی حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کی تاریخ وصال ہے اور آپ کی تدفین کی تاریخ ۲۷ مئی ہے۔ اسطرح تاریخوں کا
تطابق ظاہری طور پر آنحضرتؐ کی حدیث یُدْفَنُ مَعِیَ فِیْ قَبْرِیْ (مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ)
کی ایک تعبیر بن جاتی ہے۔

یکم ربیع[1] الاول ۱۱ھ بروز پیر[2] ترسیٹھ سال کی عمر میں اس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اولاد اور ازواجِ مطہّرات

لڑکے: ۔ قاسمؓ ۔ عبداللہؓ (لقب طاہر اور طیّب) ۔ ابراہیمؓ ۔

لڑکیاں: ۔ زینبؓ ۔ رقیہؓ ۔ اُمِ کلثومؓ ۔ فاطمہؓ ۔

بیویاں: ۔ حضرت خدیجہؓ ۔ سودہؓ ۔ عائشہؓ ۔ حفصہؓ ۔ زینبؓ ۔ اُمِ سلمیٰؓ ۔ اُمِ حبیبہؓ ۔ زینبؓ بنتِ جحش ۔ جویریہؓ ۔ صفیہؓ ۔ میمونہؓ ۔ ماریہ قبطیہؓ ۔

---

۱ : ۔ طبقات ابن سعد حصّہ دوم ص۳۷۷ اور تاریخ اسلام مصنف معین الدین ندوی نے تاریخ وصال ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ لکھی ہے۔

۲ : ۔ سیرت ابن ہشام جلد چہارم ۔ تاریخ اسلام مصنف سیّد امیر علی اور ہسٹری آف دی عربز مصنف فلپ ہٹی میں تاریخ وصال ۸ جون ۶۳۲ء لکھی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ

(عہدِ خلافت)

۶۳۲ء تا ۶۳۴ء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ منتخب ہوئے۔ آپ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد شباب سے ہی گہرے دوستانہ مراسم تھے اور جب آنحضورؐ نے دعویٰ نبوت کیا تو مردوں میں سے سب سے پہلے آپ نے اسلام کی دعوت کو قبول کیا اور آنحضورؐ کے دعویٰ کی تصدیق کر کے صدیق کا لقب پایا۔

ابتدائی زندگی

حضرت ابوبکر کا نام عبداللہ۔ لقب صدیق اور کنیت ابوبکر تھی۔ والد کا نام ابو قحافہ اور والدہ کا نام اُمّ الخیر سلمیٰ تھا چھٹی پشت میں آپ کا شجرۂ نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔

آپؓ ۵۷۲ء میں مکہ میں پیدا ہوئے اور وہیں آپ کا بچپن گذرا۔ جب جوان ہوئے تو کپڑے کی تجارت کرنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اخلاق اور اوصافِ حمیدہ کا گہرا نقش آپؓ کے دل پر تھا۔ یہی

وجہ ہے کہ جب آپ کو علم ہوا کہ آنحضرتؐ نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے تو فوراً اس کی تصدیق کی اور اسلام قبول کرنے میں اوّلیت کا شرف حاصل کیا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد خدمتِ دین کو اپنا شعار بنایا آپؓ کی کوششوں سے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت طلحہؓ، حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح، حضرت سعد بن وقاصؓ، جیسے جلیل القدر افراد نے اسلام کو قبول کیا اور ان کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت تقویت پہنچی۔ سفر و حضر میں صلح اور جنگ میں، ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے۔ آنحضورؐ کے ساتھ تمام معرکوں میں شریک رہے، ہر معاملہ میں آنحضرتؐ آپؓ سے مشورہ کرتے۔ ہجرت کے وقت بھی آپؓ آنحضورؐ کے ساتھ رہے اور جب غارِ ثور میں آنحضرتؐ نے پناہ لی تو حضرت ابوبکرؓ ساتھ تھے۔ حجۃ الوداع کے بعد جب آنحضرتؐ بہت بیمار ہو گئے تو آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ وہ مسجدِ نبوی میں امامت کرائیں۔

قربانی و ایثار

مسلمان ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ تن من دھن سے خدمتِ اسلام میں مصروف ہو گئے نہ تجارت کا خیال رہا نہ آرام کا۔ جب روپیہ کی ضرورت ہوتی وہ قربانی میں پیش پیش ہوتے۔ ایک موقعہ پر جب دین کی خاطر روپیہ کی بہت ضرورت تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے گھر کا نصف اثاثہ آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا اور خیال کیا کہ آج تو میں ابوبکرؓ سے سبقت لے جاؤں گا۔

لیکن حضرت ابوبکرؓ نے موقعہ کی نزاکت کے پیشِ نظر گھر کا سارا مال پیش کر دیا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ گھر میں بھی کچھ چھوڑا ہے یا نہیں تو حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا نام گھر میں چھوڑا ہے۔ اسی اخلاص، وفاداری اور جاں نثاری کے پیشِ نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کی بیٹی حضرت عائشہؓ سے شادی کر لی۔

خلافت کا دَور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ پہلے خلیفہ منتخب ہوئے۔ آپؓ اپنے تقویٰ، علم و معرفت، دانشمندی و معاملہ فہمی، اپنے ایثار و قربانی کی وجہ سے سب صحابہؓ میں افضل تھے اور خلافت کے سب سے زیادہ اہل تھے۔

اگرچہ طبیعت میں نرمی اور منکسر المزاجی بے انتہا تھی لیکن دینی وقار کے معاملہ میں آپ کسی نرمی اور رواداری کے قائل نہ تھے۔ آغازِ خلافت سے ہی بعض مشکلات پیش آئیں۔ لیکن آپؓ نے بڑی استقامت اور جرأت و ہمت سے ان کا مقابلہ کیا۔ اور ان پر قابو پا لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کچھ قبائل جن کے دلوں میں ابھی اسلام اچھی طرح رچا نہیں تھا مرتد ہو گئے۔ اور پرانی عصبیت ان پر غالب آ گئی۔ انہوں نے خود مختار رہنا پسند کیا۔ اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ بلکہ مدینہ پر حملہ کرنے کی سوچنے لگے۔ حضرت ابوبکرؓ نے خطرہ کو دیکھ کر مناسب انتظامات کئے اور منکرینِ زکوٰۃ کی اچھی طرح سرکوبی کی۔

بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی نبوّت کے جھوٹے دعوے کئے ۔ اَسْوَدْ عَنسی ، مسیلمہ کذّاب، طُلیحہ بن خویلد اور ایک عورت سَجاح زیادہ معروف ہیں ۔ اَسْوَدْ عَنسی تو آنحضرتؐ کی زندگی میں ہی قتل کیا گیا ۔ باقیوں نے ارتداد کی رَو سے فائدہ اُٹھا کر قبائل عرب کو بغاوت پر آمادہ کیا ۔ حضرت اُبوبکرؓ نے سب کو زیر کیا ۔ مسیلمہ کذّاب قتل ہوا ۔ طلیحہ نے راہِ فرار اختیار کی ۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کی ہمت اور استقامت ہی تھی جس کے باعث دُور دراز کے مرتدین کی بھی سرکوبی ہوئی ! اور سارا جزیرۂ عرب مسخّر ہو کر اسلامی سلطنت میں شامل ہو گیا ۔

اندرونی خلفشار کو دُور کرنے کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ نے پُورے عزم کے ساتھ بیرونی دشمنوں کی طرف توجّہ کی اور اس زمانہ کی دو عظیم طاقتوں یعنی کسریٰ شاہِ ایران اور قیصرِ روم سے ٹکر لی ۔ عراق اور شام کی فتح کی طرف متوجّہ ہُوئے ۔ یرموک کے مقام پر رومی سلطنت سے ایک فیصلہ کُن جنگ ہُوئی جس نے رُومی سلطنت کی تسخیر کے دروازے کھول دئے اور رُومیوں کے حوصلے پست کر دیئے ۔ حضرت ابوبکرؓ کے دَور میں جن فتوحات کا آغاز ہُوا ان کی تکمیل خلافتِ ثانیہ کے دَور میں ہُوئی ۔

حضرت اُبوبکرؓ کے عہدِ خلافت کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپؓ نے حفاظتِ قرآن کا بندوبست کیا ۔ یوں تو جب اور جتنا قرآن کریم

نازل ہوتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے لکھوا دیتے ۔ قرآن کریم کی ہر سورۃ اور اس کا نام اور اس کی ترتیب، پھر سارے قرآن کریم کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حکم الٰہی سے عمل میں آ چکی تھی۔ لیکن یہ قرآن چمڑے کے ٹکڑوں، پتھر کی سلوں اور کھجور کی چھال وغیرہ پہ متفرق رنگ میں لکھا ہوا تھا۔ اس خوف سے کہ مبادا قرآن کریم کی عبارت میں بعد ازاں اختلاف ہو جائے۔ آپؓ نے تمام تحریروں کو جمع کرایا اور حفاظ کی مدد سے سارے قرآن کو یکجا اور محفوظ کر دیا ۔

وفات

حضرت ابوبکرؓ نے ایک دن سردی میں غسل کیا جس کی وجہ سے آپ کو بخار ہو گیا اور آپ پندرہ دن بیمار رہے۔ اس زمانہ میں آپؓ نے حضرت عمرؓ کو امامت کے فرائض ادا کرنے کے لئے مقرر کیا۔ بعد ازاں آپؓ نے اعلان فرما دیا کہ حضرت عمرؓ آپؓ کے بعد جانشین ہوں گے ۔

آپ دو سال تین ماہ اور گیارہ دن خلیفہ رہے۔ ۲۲ راگست ۶۳۴ء مطابق ۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳ھ بروز پیر تریسٹھ سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوئے ۔

حضرت عمر فاروقؓ

(عہدِ خلافت)

۶۳۴ء تا ۶۴۴ء

ابتدائی زندگی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ ثانی تھے۔ آپ کا نام عمر۔ لقب فاروق اور کنیت ابنِ خطاب تھی۔ والد کا نام الخطاب بن نصیل تھا۔ ۵۸۱ء میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں اپنے والد کے اونٹ وغیرہ چراتے رہے۔ ذرا ہوش سنبھالا تو لکھنا پڑھنا سیکھا۔ جوان ہوئے تو تجارت کو ذریعہ معاش بنایا۔ اور اکثر شام و عراق کے سفر کئے۔

قبولِ اسلام

اسلام کے ابتدائی ایام میں حضرت عمرؓ اسلام سے سخت دشمنی رکھتے تھے۔ ایک دن تلوار لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے گھر سے نکلے۔ راستہ میں کسی نے کہا پہلے اپنی بہن کی تو خبر لو۔ وہ مسلمان ہو چکی ہے۔ اس پر فوراً بہن کے گھر کا رُخ کیا۔ وہاں

پہنچے تو قرآن مجید کی تلاوت ہو رہی تھی اُسے سُن کر دل صاف ہو گیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بہت تقویت پہنچی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دُعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! عمر کو اسلام میں داخل کر کے مسلمانوں کو تقویت بخش۔ حضرت عمرؓ بڑے رعب و دبدبہ کے مالک تھے۔ اکثر غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش بدوش رہے۔ آپ کی معاملہ فہمی کی وجہ سے آنحضورؐ آپ سے بھی اکثر معاملات میں مشورہ فرماتے تھے۔

دَورِ خلافت

اپنی خلافت کے دَور میں حضرت عمرؓ نے ایران و روم کی سلطنتوں کی طرف فوری توجہ دی۔ اور بڑے صبر آزما حالات میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو کامیابیاں عطا کیں۔ ایران اور عراق فتح ہوا۔ پھر شام و مصر فتح ہوئے۔ بیت المقدس جب ۱۷ھ میں فتح ہوا تو رومیوں کی درخواست پر حضرت عمرؓ بنفسِ نفیس وہاں تشریف لے گئے اور صلح کے معاہدہ پر دستخط کئے۔ اور سب کو امان دی۔

آپؓ کے دَورِ خلافت میں سلطنت کی حدود بہت وسیع ہو گئی تھیں۔ مشرق میں افغانستان اور چین کی سرحدوں تک مسلمان فوجیں پہنچ چکی تھیں مغرب میں طرابلس اور شمالی افریقہ تک شمال میں بحرِ قزوین تک اور جنوب میں

حبشہ تک ۔ ایک دنیا محوِ حیرت ہے کہ دس بارہ سال کے قلیل عرصہ میں ایک بے سروسامان قوم کس طرح منظم حکومتوں پر چھا گئی ۔

حضرت عمرؓ نے توسیع سلطنت اور فتوحات کے ساتھ ساتھ ملکی انتظام کی طرف بہت توجہ دی ۔ ملک کو مختلف صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر صوبے میں حاکم صوبہ، فوجی میرمنشی ، افسر مال ۔ پولیس افسر ، قاضی اور خزانچی مقرر کئے ۔ عدالت ، پولیس اور فوج کے الگ الگ محکمے قائم کئے ۔ ڈاک کا انتظام کیا ۔ جیل خانے بنائے ۔ ٹکسال بنا کر چاندی کے سکّے رائج کئے ۔ مدینہ میں نیز تمام ضلعی مراکز میں بیت المال قائم کئے ۔ فوج کی تنخواہیں اور مستحقین کے وظیفے مقرر کئے ۔ اور دفتری نظام کی داغ بیل ڈالی ۔ رفاہِ عامہ کے کاموں کے سلسلہ میں بڑے بڑے شہروں میں مسافر خانے تعمیر کرائے ۔ مکّہ اور مدینہ کے درمیان چوکیاں ، سرائیں اور حوض تعمیر کرائے اور کئی نہریں کھدوائیں ۔ حضرت عمرؓ نے 99 میل لمبی ایک نہر کھدوا کر دریائے نیل کو بحرِ احمر (بحرِ قلزم) سے ملا دیا جس سے تجارت کو بہت فروغ ہوا اور مصر کے جہاز براہِ راست مدینہ کی بندرگاہ تک آنے لگے ۔

حضرت عمرؓ نے سنِ ہجری کا آغاز کیا اور اسلامی تقویم (کیلنڈر) کی ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کے سال سے کی ۔

سیرت

حضرت عمرؓ بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے باوجود وسیع سلطنت کے

حکمران ہونے کے آپ کے کپڑوں میں کئی پیوند لگے ہوتے تھے دنیاوی عیش و عشرت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ خلیفہ بننے کے بعد تجارت کا پیشہ ترک کر دیا۔ اور بیت المال سے دو درہم روزانہ وظیفہ لیتے انتظامی معاملات میں کسی کا لحاظ نہ کرتے۔ عدل و انصاف اور رعایا کی بہبودی کا فکر آپ کی سیرت کی نمایاں خصوصیت ہے۔ رات کو گشت کر کے لوگوں کی ضروریات کا علم حاصل کرتے اور غریبوں۔ بیکسوں اور یتیموں کو فوری امداد پہنچاتے۔ ایک دفعہ دیکھا کہ ایک عورت دردِ زہ میں مبتلا ہے اور کوئی پاس نہیں تو۔ گھر آئے اور اپنی بیوی کو ساتھ لیکر گئے تاکہ اس کی دیکھ بھال ہو سکے۔

شہادت

ایک دن ایک عیسائی غلام ابو لؤلؤ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ میرا آقا مجھ سے روزانہ دو درہم وصول کرتا ہے وہ نقاشی، نجاری اور آہنگری میں بڑا ماہر تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے پیشے اور آمدنی کے مدِنظر اس رقم کو معقول قرار دیا۔ اس فیصلہ سے ناراض ہو کر اگلے دن اس نے نماز فجر کے وقت خنجر سے آپ پر حملہ کر دیا۔ حضرت عمرؓ ان زخموں سے جانبر نہ ہو سکے اور ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو بروز بدھ تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ وفات کے بعد آپ کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

حضرت عثمان غنیؓ

(عہدِ خلافت)

۶۴۴ء تا ۶۵۶ء

ابتدائی زندگی

حضرت عثمان غنیؓ قریش کے مشہور خاندان بنو اُمیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ پانچویں پشت میں آپ کا شجرۂ نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپؓ عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ سال چھوٹے تھے۔

آپ کا ذریعہ معاش بھی تجارت تھا۔ دولت کی فراوانی کی وجہ سے غنی مشہور ہوئے شرم وحیا، جُود و سخاوت۔ عقل وفہم اور شرافت کی وجہ سے آپ نے بڑی شہرت پائی۔ طبیعت میں بُردباری اور انکسار کوٹ کوٹ کر بھرا تھا اور ہر ایک سے حُسنِ سلوک کرتے تھے۔

جب آپ مشرف بہ اسلام ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ کا نکاح آپ سے کر دیا۔ قریش مکہ نے جب مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ کچھ عرصہ بعد پھر مکہ میں آ گئے اور بعد ازاں مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ جنگِ بدر کے دوران حضرت رقیہؓ رحلت فرما گئیں تو آنحضرتؐ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت اُمِ کلثومؓ کو

ان کے عقد نکاح میں دیدیا۔ اسی وجہ سے آپ کو ذوالنّورین کا لقب ملا۔

ایثار و قربانی

حضرت عثمانؓ بڑے فیاض و سخی تھے۔ مالی جہاد میں پیش پیش رہتے۔ آپ کی دولت سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔ مدینہ میں میٹھے پانی کا ایک کنواں تھا جو ایک یہودی کی ملکیت تھا آپ نے مسلمانوں کی تکلیف دیکھ کر بیسؓ ہزار درہم میں وہ کنواں خرید لیا اور مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ جنگِ تبوک کے موقعہ پر دس ہزار دینار نقد کے علاوہ ایک ہزار اُونٹ اور ستّر گھوڑے مع ساز و سامان پیش کئے۔ جنگِ بدر کے علاوہ تمام جنگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ جنگ بدر کے موقعہ پر خود آنحضرتؐ کے فرمان کے بموجب پیچھے رہے۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضرت عثمانؓ بطور سفیر قریش مکّہ کے پاس بھیجے گئے اور جب آپ کی شہادت کی افواہ اڑائی گئی تو آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھ کو ان کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے بیعت قبول کی اور دوسرے صحابہؓ نے بھی از سرِ نَو عہدِ وفا باندھا اسی کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ ان دس صحابہؓ میں سے ایک تھے۔ جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں جنّت کی بشارت دی اور عشرہ مبشرہ کہلاتے ہیں۔

عہدِ خلافت

حضرت عمرؓ نے وفات سے قبل چھ صحابہؓ کو نامزد کیا اور فرمایا کہ میری وفات کے بعد آپس میں مشورہ کر کے یہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیرالمؤمنین منتخب کر لیں۔ وہ چھ افراد یہ تھے۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت زبیرؓ بن عوام۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص۔ اکثر صحابہؓ کی رائے حضرت عثمانؓ کے حق میں تھی اس لئے ان کے انتخاب کا اعلان کر دیا گیا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ آرمینیہ افریقہ اور قبرص کے علاقے سلطنت میں شامل ہوئے اسی طرح وسطِ ایشیا کے بہت سے علاقے فتح ہوئے۔ گویا سلطنت کی حدود وسط ایشیا سے لیکر شمالی افریقہ کے مغربی کنارے تک پھیل گئیں۔ فتوحات کے ساتھ ساتھ استحکامِ سلطنت کا کام بھی جاری رہا۔ بحری فوج اور بیڑے کا قیام بھی حضرت عثمانؓ کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے قرآن کریم کی حفاظت کے پیشِ نظر حضرت ابوبکرؓ والے نسخہ کی نقول تیار کروائیں اور ان کی اشاعت سارے عالمِ اسلامی میں کی اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض علاقوں میں اختلاف قرأت دیکھا گیا۔ اہل بصرہ، اہلِ کوفہ، اہل حمص آیات کو الگ الگ رنگ میں پڑھتے۔ حضرت عثمانؓ نے اہل مکہ کی قرأت کو بہترین قرار دیا اور اسی کے

مطابق قرآن کریم کی کتابت کی گئی اور قریش کا رسم الخط اختیار کیا گیا عرب کے مختلف علاقوں نیز غیر عرب قوموں کے میل جول کے باعث لب ولہجہ اور قرأت کے فرق سے یہ اندیشہ ہو سکتا تھا کہ کہیں تحریف کا راستہ نہ کھل جائے۔ حضرت عثمان نے ہمیشہ کے لئے اس راستہ کو مسدود کر دیا۔

شہادت

حضرت عثمانؓ جس وقت خلیفہ منتخب ہوئے ان کی عمر ستر برس تھی۔ خلافت کے پہلے چھ سال امن وامان سے گذرے۔ لیکن آخری چھ سالوں میں حضرت عثمانؓ کی نرم مزاجی اور دوسری وجوہات کے باعث فتنے کھڑے ہوئے۔ بالآخر یہ شورشیں رنگ لائیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بارہ سال کی خلافت کے بعد ۳۵ھ میں شہید کر دیئے گئے۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۸۲ بیاسی سال تھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ

(عہدِ خلافت)

۶۵۶ء تا ۶۶۱ء

ابتدائی زندگی

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے فرزند تھے۔ بعثتِ نبویؐ سے قریباً آٹھ برس پہلے مکہ میں پیدا ہوئے والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ حضرت ابوطالب کثیر العیال تھے جس سال مکہ میں قحط پڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو اپنے گھر لے آئے۔ جب آنحضورؐ نے دعویٰ نبوت کیا تو بچوں میں سے سب سے پہلے حضرت علیؓ ایمان لائے اس وقت اُن کی عمر تقریباً دس سال تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت کے لئے گھر سے نکلے اس وقت حضرت علیؓ آپؐ کی چارپائی پر سو گئے تاکہ دشمن کو یہی گمان ہو کہ حضورؐ وہیں ہیں اور وہ حضورؐ کا تعاقب نہ کریں۔ اس سے حضرت علیؓ کی جان نثاری اور شجاعت کا بھی پتہ لگتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت علیؓ بھی ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ ۲ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا نکاح آپؓ سے کر دیا۔ اسطرح آپ کو نبی اکرمؐ کے داماد ہونیکا شرف حاصل ہوا۔

عہدِ خلافت

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد آپ خلیفہ منتخب ہوئے اس وقت حالات بہت ناموافق تھے۔ عوام کا مطالبہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے بدلہ لیا جائے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی اسی خیال کے مؤید تھے لیکن حضرت علیؓ محسوس کرتے تھے کہ باغیوں کا اسوقت بہت زور ہے جب تک امن و سکون نہ ہو حکومت کیلئے قصاص کی کارروائی کرنا بہت مشکل ہے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے ذی اثر صحابہؓ فوری بدلہ لینے کے بڑے حامی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے انہیں بہت سمجھایا کہ خلیفۂ وقت کے خلاف کھڑا ہونا مناسب نہیں لیکن انہوں نے اس نصیحت کی کوئی قدر نہ کی۔

جنگِ جمل

حضرت عائشہؓ کو حالات کا پوری طرح علم نہ تھا وہ بھی اس امر کی تائید میں تھیں کہ قاتلینِ عثمانؓ سے فوری انتقام لیا جائے۔ حضرت علیؓ نے بہت کوشش کی کہ باہمی جنگ و جدال کا دروازہ نہ کھلے لیکن تمام کوششیں بیکار گئیں اور فریقین میں خونریز جنگ ہو کر رہی۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اگرچہ حضرت عائشہؓ کی طرف سے جنگ کے لئے میدان میں آئے لیکن جنگ ہونے سے قبل ہی لشکر سے الگ ہو گئے تاہم کسی مخالف کے ہاتھوں مارے گئے! در حضرت عائشہ کے لشکر کو شکست ہو گئی تاہم فتح کے بعد

حضرت علیؓ نے ان کی حفاظت کا پورا اہتمام کیا اور جب وہ مدینہ جانے لگیں تو خود الوداع کہنے گئے۔ چونکہ اس جنگ میں حضرت عائشہؓ ایک اونٹ پر سوار تھیں اس لئے اس جنگ کو جنگِ جمل کہتے ہیں (جمل کے معنی اونٹ کے ہیں)، حضرت عائشہؓ کو بعد میں ساری عمر اس امر کا افسوس رہا کہ کیوں انہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف جنگ میں حصّہ لیا۔

جنگِ صفین

جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو پھر ایک مرتبہ بیعت کر لینے کی تلقین کی لیکن وہ کسی طرح اس امر پر آمادہ نہ ہوئے انہوں نے عمرو بن عاصؓ والئ مصر کو اپنا ہمنوا بنایا اور جنگ کی تیاری کی اور ۸۵ ہزار کا لشکر لیکر حضرت علیؓ کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ حضرت علیؓ کے ساتھ بھی ۸۰ ہزار کا لشکر تھا۔ سات دن تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ ساتویں دن قریب تھا کہ امیر معاویہؓ کا لشکر شکست کھا جائے کہ عمرو بن عاصؓ نے ایک چال چلی۔ قرآن مجید نیزوں پر رکھکر بلند کئے اور تجویز پیش کی کہ ثالث مقرر کرکے فیصلہ کر لیا جائے حضرت علیؓ کے کچھ ساتھی بھی اس دھوکے میں آ گئے اور انہوں نے ثالث کی تجویز کو قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ اپنی صفوں میں انتشار دیکھ کر مجبوراً حضرت علیؓ نے اس تجویز کو قبول کر لینے پر آمادگی ظاہر کی۔ حضرت علی کی طرف سے ابوموسیٰ اشعریؓ اور امیر معاویہؓ کی طرف ــــ

عمرو بن عاص ثالث مقرر ہوئے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ سیدھے سادھے صوفی منش آدمی تھے لیکن عمرو بن عاص بہت جہاندیدہ سیاس تھے انہوں نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو یہ کہکر ہم خیال بنالیا کہ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ دونوں کو معزول کرکے نیا انتخاب کیا جائے۔ چنانچہ ابوموسیٰ نے اس کا اعلان کردیا لیکن عمرو بن عاص نے کہا میں حضرت علیؓ کے معزول کئے جانے کی تائید کرتا ہوں لیکن امیر معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں اس طرح عمرو بن عاص نے لوگوں کو دھوکا دیا۔

خوارج کا ظہور

جب حضرت علیؓ کو اس سیاسی فریب کا علم ہوا تو وہ پھر جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ اسی اثناء میں انہیں علم ہوا کہ انکی جماعت کا ایک گروہ اسوجہ سے الگ ہوگیا ہے کہ کیوں ثالثی کی تجویز کو قبول کیا گیا انہوں نے اپنا ایک الگ امیر مقرر کرلیا۔ اور اسطرح مسلمان تین گروہوں میں بٹ گئے۔ حضرت علیؓ نے ان کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر تیار کیا۔ پہلے تو انہیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب وہ ضد پر قائم رہے تو دونوں لشکروں میں خونریز جنگ ہوئی اور کئی ہزار خارجی مارے گئے صرف چند لوگ زندہ بچ رہے۔

شہادت

اگرچہ خارجیوں کو شکست ہوگئی لیکن ان شوریدہ سر لوگوں نے سوچا کہ

کامیابی اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ حضرت علیؓ۔ حضرت معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ تینوں کو بیک وقت قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس بارے میں منصوبہ تیار کیا۔ حضرت معاویہؓ پر حملہ کارگر نہ ہوا۔ عمرو بن عاصؓ عین وقت پر باہر چلے گئے اس لئے بچ گئے لیکن جو شخص حضرت علیؓ کو قتل کرنے کے لئے مقرر ہوا وہ قاتلانہ حملہ میں کامیاب ہوا۔ اور اس طرح حضرت علیؓ ۲۰ رمضان ۴۰ھ کو پونے پانچ سال کی خلافت کے بعد ترسیٹھ سال کی عمر میں شہید کر دیئے گئے *
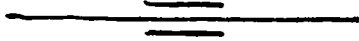
حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام

۱۸۳۵ء تا ۱۹۰۸ء

ابتدائی زندگی

بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۴ شوال ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء بروز جمعہ قادیان ضلع گورداسپور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آپ مغل قوم کے ایک نہایت معزز خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ حضرت مرزا ہادی بیگ صاحب سمرقند سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ آپ کے والد کا نام حضرت مرزا غلام مرتضیٰ اور والدہ کا نام چراغ بی بی تھا۔ بچپن سے ہی آپ کی طبیعت میں نیکی و پاکیزگی اور متانت و سنجیدگی پائی جاتی تھی۔ دوسرے بچوں کی طرح کھیل کود کی طرف ذرا بھی راغب نہ تھے۔ تنہائی کو پسند کرتے اور گہرے غور و خوض کے عادی تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پہ ہی ہوئی۔ پھر والد کے مقرر کردہ اساتذہ سے آپ نے فارسی پڑھی اور کچھ صرف و نحو نیز منطق و فلسفہ اور حکمت کا علم حاصل کیا۔ جوانی میں بھی خلوت نشینی پسند رہی۔ قرآن کریم و احادیث نبوی نیز دوسرے مذاہب کی مذہبی کتب کا مطالعہ آپ کا

محبوب مشغلہ تھا۔ اور بیشتر وقت یادِ الٰہی میں یا قرآن کریم پر غور و فکر میں گذرتا تھا۔ عشقِ محمدؐ آپ کے رگ و ریشہ میں رچا ہُوا تھا۔ بس ایک ہی خواہش اور ایک ہی دُھن تھی کہ کسی طرح دینِ مصطفویؐ کی خدمت ہو اور اسلام کا نور آشکار کیا جائے۔

آپ کے مذہبی شغف اور گوشہ نشینی کی عادت کی وجہ سے آپ کے والد بزرگوار کو یہ فکر دامن گیر رہتا کہ اس بچے کی آئندہ زندگی کیسے بسر ہوگی۔ اگرچہ آپ کی طبیعت کا میلان دنیاداری کے کاموں کی طرف قطعاً نہ تھا تاہم آپ نے والد ماجد کی اطاعت کے جذبہ سے ان کے اصرار پر کچھ عرصہ سیالکوٹ میں ملازمت کی اور جدّی جائیداد کے حصول کے سلسلہ میں مقدمات کی پیروی بھی کی۔ لیکن بہت جلد والد کی اجازت سے ان امور سے دستکش ہو گئے اور تبلیغِ حق کی مہم میں بدل و جان مصروف ہُوئے ۱۸۷۶ء میں والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات سے قبل الہاماً اللہ تعالیٰ نے اس حادثہ کی اطلاع آپ کو دی۔ اور اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کے الفاظ میں یہ بھی ڈھارس بندھائی کہ وہ خود آپ کا کفیل ہوگا۔ والد کی وفات کے بعد ہی مکالمات و مخاطباتِ الٰہیہ کا سلسلہ بڑے زور و شور سے شروع ہو گیا۔

وہ زمانہ روحانی لحاظ سے انتہائی ظلمت و تاریکی کا تھا۔ دنیا کا بیشتر حصّہ مشرکانہ عقائد و رسوم میں مبتلا تھا یا اپنے خالق و مالک سے یکسر بے گانہ تھا۔ ایک طرف عیسائی مناد اسلام پر حملے کر رہے تھے۔ تو دوسری طرف آریہ سماج و برہمو سماج والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

بابرکات کے خلاف گندہ دہنی اور الزام تراشی میں مصروف تھے۔ علماءِ اسلام فروعی مسائل اور ایک دوسرے کے خلاف تکفیر بازی میں اس قدر اُلجھے ہُوئے تھے کہ انہیں خدمتِ دین کا ذرا بھی ہوش نہ تھا۔ جو حالات کی نزاکت کا احساس رکھتے تھے ان میں استطاعت نہ تھی کہ مخالفین کے حملوں کا جواب دیتے۔ ایسے حالات میں اللہ تعالےٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ کے دل میں یہ جوش ڈالا کہ آپؒ اسلام کی حقانیت کو دنیا پر واضح کریں۔ چنانچہ آپ نے ایک کتاب براہین احمدیہ نامی تصنیف فرمائی اور تمام مذاہب کے پیروں کو چیلنج کیا کہ وہ حُسن و خوبی اور براہین و دلائل میں قرآن کریم کا مقابلہ کرکے دس ہزار روپیہ کا انعام حاصل کریں لیکن کسی کو اس مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کتاب کی اشاعت نے مذہبی دنیا میں ایک تہلکہ مچادیا۔ اپنے تعریف میں رطب اللسان تھے اور مخالفین پر سکتہ کا عالم طاری ہوگیا تھا۔

دعوئ ماموریّت و مسیحیّت

۱۸۸۲ء میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماموریّت کا پہلا الہام نازل ہُوا۔ اور آپ کو یہ علم دیا گیا کہ اس زمانہ میں تجدید دین اور احیائے اسلام کی خدمت آپ کے سپُرد کی گئی ہے۔ تاہم آپ نے باقاعدہ رنگ میں فوری طور پر کسی قسم کا دعویٰ نہیں کیا۔ لیکن متواتر الہامات کے باعث ۱۸۸۵ء میں آپ نے اپنے آپ کو محض مجدّد وقت کی حیثیت

میں پیش کیا۔ حالانکہ جو الہامات ۱۸۸۲ء میں اور اس کے بعد ہوئے
ان میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے صریح طور پر مسیح، نبی اور نذیر کے ناموں
سے یاد کیا تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ آپ فدائیت کے نہایت اعلیٰ
مقام پر تھے اور طبیعت میں اس درجہ انکسار پایا جاتا تھا کہ اللہ تعالےٰ
کی طرف سے ان بزرگ خطابات کی یہی توجیہہ کرتے کہ ان سے مقصود
محض کثرت مکالمہ و مخاطبہ ہے۔ اور زیادہ وضاحت ہوئی تو ایک
عرصہ تک اپنے مقام کو جزدی یا ناقص نبوّت سے تعبیر کرتے رہے۔
لیکن پھر ۱۸۹۰ء اور ۱۹۰۱ء کے درمیانی عرصہ میں آپ پر اس امر کا کامل
انکشاف ہوگیا کہ آپ نبوّت کے مقام پر ہی فائز ہیں۔ اس رنگ میں کہ
ایک پہلو سے آنحضرت صلعم کے امتی ہیں اور کثرت مکالمہ الٰہیہ کے لحاظ
سے نبوّت کے مقام پر فائز ہیں۔

۲۳ر مارچ ۱۸۸۹ء کو اللہ تعالےٰ کے حکم سے آپ نے سلسلہ عالیہ
احمدیہ کی بنیاد ڈالی اور لدھیانہ میں پہلی بیعت لی۔ اس روز چالیس
افراد بیعت کرکے اس سلسلہ میں داخل ہوئے۔ بیعت کرنے والوں
میں اوّلیّت کا شرف حضرت حاجی الحرمین حکیم مولوی نورالدین صاحب
رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا جو بعد میں آپ کے خلیفہ اوّل منتخب ہوئے۔

۱۸۹۰ء میں آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس دعویٰ
کے ساتھ ہی آپ کے خلاف ایک طوفانِ بے تمیزی اُمڈ آیا۔ بڑے
بڑے علماء نے آپ کے خلاف کفر کے فتوے دیئے لیکن خدائے تعالیٰ کی

نصرت و تائید کے نشانات پے در پے ظاہر ہو رہے تھے آپ نے تمام سجادہ نشینوں، پیروں، فقیروں کو مقابلہ کی دعوت دی۔ مباحثات و مناظرات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور لوگوں پر آپ کی صداقت منکشف ہوتی چلی گئی۔ پھر آپ نے مکفّر علماء کو دعوتِ مباہلہ بھی دی کہ اگر چاہیں تو اس رنگ میں خدائے تعالیٰ کے فیصلہ کو دیکھ لیں۔ علماء کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لیڈروں اور نمائندوں کو بھی مقابلہ کے لئے للکارا۔ ہندوؤں میں سے پنڈت لیکھرام۔ عیسائیوں میں سے پادری عبداللہ آتھم اور امریکہ کا جھوٹا مدعی نبوت ڈاکٹر الیگزینڈر ڈوئی اور مسلمانوں میں سے رسل بابا امرتسری۔ چراغدین جمونی۔ رشید احمد گنگوہی۔ عبدالرحمٰن محی الدین لکھوکے والے، مولوی غلام دستگیر قصوری۔ محمد حسین بھینی والا وغیرہم مقابلہ کر کے حسب پیشگوئی ہلاک ہوئے اور آپؑ کے منجانب اللہ ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر گئے۔ پھر آپؑ نے قبولیت دعا کا حربہ استعمال کیا اور تمام مذاہب کے لوگوں کو یہ دعوت دی کہ اگر ان کا مذہب سچا ہے تو مقبولیت کا نشان مقابلہ میں دکھائیں۔ مگر کسی کو اس مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔ غرض قبولیت دعا، علمی مقابلوں، تائیدات سماوی اور بکثرت امور غیبیہ کے اظہار کے ذریعہ یہ ثابت کیا کہ زندہ نبی ہمارے سیّد و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور زندہ مذہب صرف اسلام ہے۔

اسلام کی حقانیت اور اپنے دعویٰ کی صداقت کو ظاہر کرنے کیلئے

آپ نے کم وبیش اسّی کتب اُردو اور عربی میں تصنیف فرمائیں۔ ہزارہا اشتہارات مختلف ممالک میں شائع فرمائے اور سینکڑوں تقاریر اسلام کی تائید میں کیں۔ بادشاہوں اور امراء کو خطوط لکھے اور انہیں دعوتِ حق دی۔ پھر آپ نے مسلمانوں کے غلط عقائد کی اصلاح کی اور تجدیدِ دین کا کام اس رنگ میں کیا جس رنگ میں مسیح و مہدی کے لئے کرنا مقدّر تھا۔ نہ صرف زمین پر آپ کی صداقت کے نشان ظاہر ہوئے بلکہ آسمان نے بھی اس کی گواہی دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہورِ مہدی کے لئے جو یہ علامت بیان فرمائی تھی کہ رمضان کے مہینہ میں چاند کو اس کی گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات کو اور سورج گرہن کے مقررہ دنوں میں سے درمیانے دن گرہن لگے گا۔ عین اس پیشگوئی کے مطابق مشرقی ممالک میں ۲۰ مارچ ۱۸۹۴ء کو چاند گرہن ہوا۔ اور ۶ اپریل ۱۸۹۴ء کو سورج گرہن لگا اور یہ دونوں گرہن اس سال رمضان کے مہینہ میں واقع ہوئے۔ مغربی ممالک میں بھی اگلے سال ٹھیک انہی شرائط کے ساتھ رمضان میں گرہن لگا۔ اور یہ سماوی نشان اسلام کی صداقت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی صداقت کی زبردست دلیل ٹھہرے گویا خود خالقِ ارض و سماء نے یہ گواہی دی کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی وہی مسیح موعود اور مہدی ہیں جن کے بارے میں سابق انبیاء اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح پیشگوئیاں فرمائی تھیں۔

اولاد

آپؑ کی پہلی شادی اپنے خاندان میں ہوئی جس سے دو لڑکے مرزا فضل احمد اور مرزا سلطان احمد پیدا ہوئے۔ . . . . . .
. . . . آپ کی دوسری شادی ۱۸۸۴ء میں دہلی کے ایک مشہور سادات خاندان (خاندان میر درد) میں ایسے وقت میں ہوئی جبکہ آپ کی عمر ۵۰ برس ہو چکی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ (یعنی مسیح موعود شادی کرے گا اور اس کے اولاد ہوگی) کے مطابق اس شادی سے ایک نئے خاندان کی بنیاد پڑی اور آپ کو وہ مبشرہ اولاد عطا ہوئی جس کے لئے برکت پانا اور ملکوں میں کثرت سے پھیلنا مقدر ہے۔ آپ کی دوسری بیوی کا نام حضرت نصرت جہاں بیگم تھا جو بعد میں اماں جان.... کہلائیں۔ آپ کے بطن سے پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں پیدا ہوئیں جن کے نام یہ ہیں :۔

۱۔ صاحبزادی عصمت (ولادت مئی ۱۸۸۶ء۔ وفات جولائی ۱۸۹۱ء)
۲۔ بشیر اوّل (ولادت ۷ اگست ۱۸۸۷ء۔ وفات ۴ نومبر ۱۸۸۸ء)
۳۔ حضرت مصلح موعود صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ ولادت ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء۔ وفات ۸/۷ نومبر کی شب ۱۹۶۵ء)۔
۴۔ صاحبزادی شوکت (ولادت ۱۸۹۱ء۔ وفات ۱۸۹۲ء)

۵۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد ایم۔ اے۔ (ولادت ۲۰ ر اپریل ۱۸۹۳ء۔ وفات ۲ ر ستمبر ۱۹۶۳ء)

۶۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد (ولادت ۲۴ ر مئی ۱۸۹۵ء۔ وفات ۲۶ ر دسمبر ۱۹۶۱ء)۔

۷۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ (ولادت ۲ ر مارچ ۱۸۹۷ء۔ وفات ۲۳/۲۲ مئی ۱۹۷۷ء۔ درمیانی شب)۔

۸۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد (ولادت ۱۴ ر جون ۱۸۹۹ء۔ وفات ۱۶ ر ستمبر ۱۹۰۷ء)۔

۹۔ صاحبزادی امۃ النصیر (ولادت ۲۸ ر جنوری ۱۹۰۳ء۔ وفات ۳ ر دسمبر ۱۹۰۳ء)۔

۱۰۔ حضرت صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ سلمہا ربہا۔ (ولادت ۲۵ ر جون ۱۹۰۴ء)

وفات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چوہتّر سال عمر پائی۔ ساری عمر رات دن خدمت اسلام میں لگے رہے۔ جس دن وفات پائی اس سے پہلی شام تک ایک کتاب کی تصنیف میں مشغول تھے۔ اس سے اس سوز و گداز اور اس اخلاص و جوش کا پتہ لگتا ہے۔ جو آپ کو اللہ تعالےٰ کے جلال کے اظہار اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت

کو ثابت کرنے کے لئے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری اُمت میں سے صرف ایک شخص یعنی مسیح موعود کے حق میں ارشاد فرمایا کہ اس کو میرا سلام پہنچانا۔ یہ گویا اس کے حق میں سلامتی کی دُعا اور پیشگوئی تھی۔ باوجود اس کے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ہزار مخالفتیں ہوئیں اور آپ کو قتل کرنے کے بہت منصوبے کئے گئے مگر خدائی نوشتوں کے مطابق وہ سب ناکام ہوئے اور آپ اپنا کام ختم کر کے طبعی موت سے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو لاہور میں اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ آپ کا جنازہ قادیان لایا گیا۔ اگلے روز حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۂ اوّل منتخب ہوئے اور انہوں نے ہی حضورؑ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد میّت کو بہشتی مقبرہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ

۱۸۴۱ء تا ۱۹۱۴ء

ابتدائی زندگی

حاجی الحرمین حضرت حافظ مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ ۱۸۴۱ء میں پنجاب کے ایک قدیم شہر بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حافظ غلام رسُول اور والدہ کا نام نور بخت تھا۔

۳۲ ویں پشت میں آپ کا شجرہ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے آپ کے خاندان میں بہت سے اولیاء و مشائخ گذرے ہیں۔ گیارہ پشت سے تو حفاظ کا سِلسلہ بھی برابر چلا آتا ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ اس مقدس خاندان کو ابتداء سے ہی قرآن کریم سے والہانہ شغف رہا ہے۔ ابتدائی تعلیم تو ماں باپ سے حاصل کی پھر لاہور اور راولپنڈی میں تعلیم پائی۔ نارمل سکول سے فارغ ہوکر چار سال پنڈ دادنخاں میں سکول کے ہیڈ ماسٹر رہے۔ پھر ملازمت ترک کردی اور حصُولِ علم کے لئے رامپور، لکھنؤ، میرٹھ اور بھوپال کے سفر اختیار کئے ان ایّام میں آپ نے عربی۔ فارسی۔ منطق۔ فلسفہ۔ طبّ غرض ہر قسم کے مروّجہ

علوم سیکھے۔ قرآن کریم سے قلبی لگاؤ تھا۔ اور اسکی معارف آپ پر کھلتے رہتے تھے۔ توکل کا اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ دعاؤں سے ہر وقت کام لیتے تھے۔ جہاں جاتے غیب سے آپ کے لئے سہولت کے سامان پیدا ہو جاتے اور لوگ آپکے گرویدہ ہو جاتے۔ ایک مرتبہ ایک رئیس زادہ کا علاج کیا تو اسنے اسقدر روپیہ دیا کہ آپ پر حج فرض ہوگیا۔ چنانچہ آپ مکّہ اور مدینہ منوّرہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ حج بھی کیا اور وہاں کئی اکابر علماء و فضلاء سے حدیث پڑھی۔ اسوقت آپکی عمر ۲۴ - ۲۵ برس تھی۔

بلاد عرب و ہند سے واپس آکر بھیرہ میں درس و تدریس اور مطب کا آغاز کیا۔ مطب کی شان یہ تھی کہ مریضوں کے لئے نسخے لکھنے کے دوران احادیث وغیرہ بھی پڑھاتے۔ ۱۸۷۷ء میں لارڈ لٹن وائسرائے ہند کے دربار میں شرکت کی کچھ عرصہ بھوپال میں قیام کیا۔ پھر ریاست جموّں و کشمیر میں ۱۸۷۶ء سے ۱۸۹۲ء تک شاہی طبیب رہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی زیارت

گورداسپور کے ایک شخص کے ذریعہ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا غائبانہ تعارف ہوا۔ اور حضور کا ایک اشتہار بھی نظر سے گذرا۔ مارچ ۱۸۸۵ء میں قادیان پہنچ کر حضورؑ سے ملاقات کی۔ اس وقت حضورؑ نے نہ کوئی دعویٰ کیا تھا نہ بیعت لیتے تھے۔ تاہم فراستِ صدیقی سے آپؓ نے حضور کو شناخت کیا اور حضورؑ کے گرویدہ

ہو گئے۔ حضورؑ کے ارشاد پر آپ نے پادری ٹھامس ہاول کے اعتراضات
کے جواب میں کتاب فصل الخطاب، اور پنڈت لیکھرام کی کتاب
"تکذیب براہین کے جواب میں" تصدیق براہین احمدیہ" تصنیف
فرمائیں۔ ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء میں جب لدھیانہ میں بعیت اولی ہوئی
تو سب سے اول آپ نے بعیت کا شرف حاصل کیا۔ ستمبر ۱۸۹۲ء میں
ریاست کشمیر سے آپ کا تعلق منقطع ہو گیا۔ تو بھیرہ میں مطب جاری
کرنے کیلئے ایک بڑا مکان تعمیر کرایا۔ ابھی وہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کے ارشاد کے بموجب قادیان میں دھونی رما کر بیٹھ رہے قادیان
میں ایک مکان بنوا کر اس میں مطب شروع کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کے ساتھ دربار شام میں نیز سیر و سفر میں ہمرکاب رہتے۔ حضور کی
مقدس اولاد کو قرآن و حدیث پڑھاتے۔ صبح سویرے بیماروں کو
دیکھتے پھر طالب علموں کو درسِ حدیث دیتے اور طب پڑھاتے بعد
نمازِ عصر روزانہ درس قرآن کریم دیتے۔ عورتوں میں بھی درس ہوتا۔
مسجد اقصیٰ میں پنجوقتہ نماز اور جمعہ کی امامت کراتے۔ جب قادیان
میں کالج قائم ہوا تو اس میں عربی پڑھاتے رہے۔ دسمبر ۱۹۰۵ء میں
انجمن کار پرداز مصالح قبرستان کے امین مقرر ہوئے جب صدر انجمن
بنی تو اس کے پریذیڈنٹ مقرر ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو
حوالہ جات نکالنے میں مدد دیتے اور حضورؑ کی تصانیف کی پروف ریڈنگ
کرتے۔ مباحثات میں مدد دیتے۔ اخبار الحکم اور البدر کی قلمی معاونت

فرماتے۔ قرآن کریم کا مکمل ترجمہ کیا اور چھپوانے کے لئے مولوی محمد علی صاحب کو دیا لیکن صرف پہلا پارہ چھپ سکا۔

خلافت کا دور

۲۷ مئی ۱۹۰۸ء کو جبکہ آپ کی عمر ۶۷ سال تھی خلیفہ منتخب ہوئے۔ قریباً بارہ سو افراد نے بیعت خلافت کی مستورات میں سب سے پہلے حضرت اماں جان رضؓ .... نے بیعت کی۔ صدر انجمن کی طرف سے اخبار الحکم اور البدر میں اعلان کرایا گیا کہ :۔

"آپ (یعنی حضرت اقدس علیہ السلام) کے وصایا مندرجہ رسالہ الوصیت کے مطابق حسب مشورہ معتمدین صدر انجمن احمدیہ موجودہ قادیان و اقرباء حضرت مسیح موعود و باجازت حضرت امّ المؤمنین کُل قوم نے جو قادیان میں موجود تھی اور جس کی تعداد اس وقت بارہ سو تھی والا مناقب حضرت حاجی الحرمین شریفین جناب حکیم نورالدین صاحب سلمہ کو آپ کا جانشین اور خلیفہ قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ معتمدین میں سے ذیل کے اصحاب موجود تھے :۔

حضرت مولوی سیّد محمد احسن صاحب۔ صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب۔ جناب نواب محمد علی خانصاحب شیخ رحمت اللہ صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب۔ ڈاکٹر مرزا

یعقوب بیگ صاحب۔ ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب۔ خلیفہ رشید الدین و خاکسار (خواجہ کمال الدین)۔۔۔۔۔"

اور سلسلہ کے سب ممبران کو ہدایت کی گئی کہ وہ فی الفور حکیم الامت خلیفۃ المسیح والمہدی کی بیعت کریں۔ چنانچہ اس کے مطابق عمل ہوُا اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا انتخاب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی طرح اجماع قوم سے خاص خدائی تصرف سے ہوُا اور کسی قسم کا اختلاف اس وقت نہ ہوُا۔

شروع خلافت سے ہی واعظینِ سلسلہ کا تقرر ہوُا۔ شیخ غلام احمد صاحب حافظ غلام رسُول صاحب وزیر آبادی۔ حضرت مولٰینا غلام رسُول صاحب راجیکی اوّلین واعظ مقرر ہوئے۔ جنہوں نے ملک کے طول و عرض میں پھر کر سلسلہ کی خدمات سرانجام دیں بے شمار تقاریر کیں۔ مباحثات کئے اور متعدد مقامات پر جماعتیں قائم کیں۔

آپ کے دَورِ خلافت میں گرلز سکول اور اخبار نُور کا ۱۹۰۹ء میں اجراء ہوُا۔ نیز مدرسہ احمدیہ کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۹۱۱ء میں مسجد نُور کی بنیاد رکھی گئی۔ اسی طرح مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول اور اس کے بورڈنگ کی بنیاد رکھی گئی۔ مسجد اقصٰی کی توسیع ہوئی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثانیؓ) کی کوششوں سے انجمن انصار اللہ کا قیام عمل میں آیا۔ اور اخبار الفضل جاری ہوُا۔ ۱۹۱۳ء میں یورپ میں سب سے پہلا احمدیہ مشن قائم ہوُا۔

مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب جو صدر انجمن احمدیہ

کے سرکردہ ممبر تھے ابتداء سے ہی مغربیت زدہ تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی زندگی میں ہی ان کی یہ خواہش تھی کہ جماعت کا نظام اسی رنگ میں چلائیں۔ جیسے دنیادی انجمنیں چلاتی ہیں۔ اسی وجہ سے وہ حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں ہی لنگرخانہ کے انتظام اور سلسلہ کے دوسرے کاموں پر اعتراض کرتے رہتے تھے اور اخراجات کے بارے میں حضورؑ کی ذات پر بھی نکتہ چینی کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ حضورؑ کی زندگی میں تو ان کی کچھ پیش نہیں گئی لیکن حضرت خلیفہ اوّل کی زندگی میں انہوں نے پرپرزے نکالنے شروع کئے۔ خلافت کے دَور میں جو پہلا جلسہ سالانہ دسمبر ۱۹۰۸ء میں ہوا اس میں ایسی تقاریر کا انتظام کیا جس سے مقصود جماعت میں یہ خیال پیدا کرنا تھا کہ دراصل صدر انجمن احمدیہ ہی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی جانشین اور خلیفہ ہے۔ لیکن حضرت خلیفہ اوّل رضؓ نے ان خیالات کی تردید کرتے ہوئے ضرورت خلافت اور اطاعتِ خلیفہ پر زور دیا۔ اور فرمایا :-

"تم نے خود میری بیعت نہیں کی بلکہ میرے مولیٰ نے تمہارے دلوں کو میری طرف جھکا دیا۔ پس تمہیں میری فرمانبرداری ضروری ہے"۔

خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہم کے خیالات کی وجہ سے جماعت میں جو انتشار پیدا ہونے لگا تھا اس کے ازالہ کے لئے آپؓ نے ۳۱ جنوری ۱۹۰۹ء کو نمائندگانِ جماعت کو قادیان میں طلب

کیا اور واضح الفاظ میں یہ فیصلہ فرمایا کہ صدر انجمن تو محض ایک تنظیمی ادارہ ہے۔ جماعت کا امام اور مطاع تو صرف خلیفہ ہی ہے۔ اس اجتماع میں مندرجہ بالا دونوں حضرات سے جن میں سرکشی پائی جاتی تھی آپ نے دوبارہ بیعتِ اطاعت لی۔ لیکن بیعت کر لینے اور اقرارِ اطاعت کے باوجود ان حضرات کے دل صاف نہ ہوئے اور وہ تمرد اور سرکشی میں بڑھتے گئے یہاں تک کہ کھلم کھلا مخالفت پر اتر آئے اور آپ کی شان میں گستاخانہ باتیں کرنے لگے۔

۱۹۱۰ء میں آپ گھوڑے سے گر گئے اور بہت چوٹیں آئیں۔ علالت کا سلسلہ طویل ہو گیا۔ اس دوران ایک مرتبہ آپ نے وصیّت تحریر فرمائی جو صرف دو الفاظ پر مشتمل تھی۔ یعنی "خلیفہ محمود"۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ اپنے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کو خلیفہ نامزد کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے اپنی علالت کے دوران حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف کو اپنی جگہ امام الصلوٰۃ مقرر فرمایا۔ یوں بھی آپ ان کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے اور برملا اس امر کا اظہار کرتے تھے کہ اپنے تقویٰ و طہارت، اطاعتِ امام اور تعلق باللہ میں ان کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ جب آپ کی علالت کا سلسلہ طویل ہو گیا تو منکرینِ خلافت نے گمنام ٹریکٹ لاہور سے شائع کئے۔ جن میں اس امر کا اظہار کیا گیا کہ قادیان میں پیر پرستی شروع ہو گئی ہے اور مرزا محمود احمد صاحب کو خلافت کی گدی پر بٹھانے کی سازشیں ہو رہی

ہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ کے بارے میں لکھا گیا کہ ایک عالم دین نے ایڈیٹر پیغام صلح اور دوسرے متعلقین کو ذلیل و خوار کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے اہلبیت کے متعلق تحریر کیا کہ وہ بزرگانِ سلسلہ (مراد خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب وغیرھم) کو بدنام کر رہے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی دو مرتبہ بیعتِ اطاعت کرنے کے باوجود آپ کو بدنام کرنے اور خلافت کے نظام کو مٹانے کی پوری کوشش کی۔ لیکن وہ اپنے مذموم ارادوں میں ناکام رہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ کا سب سے بڑا یہی کارنامہ ہے کہ آپ نے خلافت کے نظام کو مضبوطی سے قائم کر دیا اور خلافت کی ضرورت و اہمیت کو جماعت کے سامنے بار بار پیش کر کے اس عقیدہ کو جماعت میں راسخ کر دیا کہ خلیفہ خُدا ہی بناتا ہے۔ انسانی منصوبوں سے کوئی شخص خلیفہ نہیں بن سکتا۔ خلافت کے الٰہی نظام کو مٹانے کے لئے منکرینِ خلافت نے جو فتنہ و فساد برپا کیا اور لوگوں کو ورغلانے اور اپنا ہم خیال بنانے کی جو کارروائیاں کی گئیں آپ نے ان کا تاروپود بکھیر کر رکھ دیا۔ منکرینِ خلافت نے اپنے خیالات کی ترویج کے لئے لاہور سے ایک اخبار جاری کیا جس کا نام پیغامِ صلح رکھا۔ یہ اخبار حضرت خلیفہ اوّل رضؓ کے نام بھی ارسال کیا جانے لگا۔ آپ نے اس کے مضامین کو پڑھ کر فرمایا۔ یہ تو ہمیں پیغامِ جنگ ہے اور آپ نے بیزار ہو کر اس

اخبار کو وصول کرنے سے انکار کر دیا ۔

وفات

غرض آپ اپنی خلافت کے سارے دَور میں جہاں قرآن کریم و احادیثِ نبویؐ کے درس و تدریس میں منہمک اور کوشاں رہے وہاں خلافت کے مسئلہ کو بار بار تقریروں اور خطبات میں واضح کیا یہاں تک کہ جماعت کی غالب اکثریت نے اس حبل اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا علالت کے دَوران خفیہ ٹریکٹوں کی اشاعت نے آپ کو بہت دُکھ پہنچایا اور آپ کی صحت پر بہت بُرا اثر ڈالا ۔ بالآخر آپ نے ۱۳ر مارچ ۱۹۱۴ء بروز جمعہ داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے ۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

المصلح الموعود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

۱۸۸۹ء تا ۱۹۶۵ء

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کا دَورِ خلافت اس لحاظ سے ممتاز اور نمایاں ہے کہ اس کے بارے میں سابقہ انبیاء و صلحاء کی پیشگوئیاں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار نشانات اور اس کی پیہم تائیدات نے یہ ثابت کر دیا کہ آپ ہی وہ موعود خلیفہ ہیں جس کا وعدہ دیا گیا تھا۔

ابتدائی زندگی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو ایک مسیحی نفس لڑکے کی پیدائش کی خبر دی جو دل کا حلیم اور علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور بتلایا گیا کہ وہ نو سال کے عرصہ میں ضرور پیدا ہو جائے گا۔ اس پیشگوئی کے مطابق سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب حضرت اماں جان نصرت جہاں بیگم رض کے بطن سے ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء بروز ہفتہ تولد ہوئے۔ الہامِ الٰہی میں آپ کا نام محمود، بشیرِ ثانی، فضلِ عُمر اور مصلح موعود بھی رکھا گیا۔ اور کلمۃ اللہ نیز فخرِ رسل کے خطابات سے نوازا گیا۔ آپ کے بارے

میں الہاماً یہ بھی بتایا گیا کہ وہ سخت ذہین و فہیم ہو گا۔ خُدا کا سایہ اس کے سر پر ہو گا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا۔ اسیروں کی رُستگاری کا موجب ہو گا زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ چونکہ آپ کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بہت سی بشارات ملی تھیں اس لئے حضورؑ آپ کا بہت خیال رکھتے۔ کبھی آپ کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔ بچپن سے آپ کی طبیعت میں دین سے رغبت تھی۔ دعا میں شغف تھا اور نمازیں بہت توجہ سے ادا کرتے تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ تعلیم الاسلام میں پائی صحت کی کمزوری اور نظر کی خرابی کے باعث آپ کی تعلیمی حالت اچھی نہ رہی۔ اور آپ ہر جماعت میں رعایتی ترقی پاتے رہے۔ مڈل اور انٹرنس (میٹرک) کے سرکاری امتحانوں میں فیل ہوئے اس طرح دنیوی تعلیم ختم ہو گئی۔ اس درسی تعلیم کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ نے اپنی خاص تربیت میں لیا۔ قرآن کریم کا ترجمہ تین ماہ میں پڑھا دیا۔ پھر بخاری بھی تین ماہ میں پڑھا دی۔ کچھ طب بھی پڑھائی اور چند عربی کے رسالے پڑھائے۔ قرآنی علوم کا انکشاف تو موہبت الٰہی ہوتی ہے مگر یہ درست ہے کہ قرآن کریم کی چاٹ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ نے ہی لگائی۔ جب آپ کی عمر ۱۷، ۱۸ سال کی تھی ایک دن خواب میں ایک فرشتہ ظاہر ہوا اور اس نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر سکھائی۔ اس کے بعد سے تفسیر قرآن کا علم خدائے تعالیٰ خود عطا کرتا چلا گیا۔

۱۹۰۶ء میں جبکہ آپ کی عمر ۱۷ سال تھی۔ صدر انجمن احمدیہ کا قیام عمل میں آیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو مجلس معتمدین کا رکن مقرر کیا۔ ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جب وصال ہؤا تو غم کا ایک پہاڑ آپ پر ٹوٹ پڑا۔ غم اس بات کا تھا کہ سلسلہ کی مخالفت زور پکڑے گی اور لوگ طرح طرح کے اعتراضات کریں گے تب آپ نے حضورؑ کے جسدِ اطہر کے سرہانے کھڑے ہو کر اپنے ربّ سے عہد کیا کہ:۔

"اگر سارے لوگ بھی آپ (یعنی مسیح موعود) کو چھوڑ دیں گے
اور مَیں اکیلا رہ جاؤں گا تو مَیں اکیلا ہی ساری دنیا کا مقابلہ
کروں گا اور کسی مخالفت اور دشمنی کی پرواہ نہیں کروں گا"

یہ عہد آپ کی اولوالعزمی اور غیرتِ دینی کی ایک روشن دلیل ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ آپ نے اس عہد کو خوب نبھایا۔ ۱۵-۱۶ برس کی عمر میں پہلی مرتبہ آپ کو یہ الہام ہؤا اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔ اس پہلے الہام میں ہی اس امر کی بشارت موجود تھی کہ آپ ایک دن جماعت کے امام ہوں گے۔ قرآن کریم کا فہم آپ کو بطور موہبت عطا ہؤا تھا۔ جس کا اظہار ان تقاریر سے ہوتا تھا جو وقتاً فوقتاً آپ جلسہ سالانہ پر یا دوسرے مواقع پر کرتے تھے۔ آیت کریمہ لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کے مطابق یہ اس امر کا ثبوت تھا کہ سیّدنا پیارے محمود کے دل میں خُدا اور اس کے رسُول اور اس کے کلامِ پاک کی محبّت کے سوا

کچھ نہ تھا لیکن بُرا ہو حسد اور بُغض کا ۔ منکرین خلافت آپ کے خلاف بھی منصوبے بناتے رہتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح حضرت خلیفۂ اوّل رضؓ آپ سے بدظن ہو جائیں ۔ ان کو آپ سے دشمنی اس بناء پر تھی کہ اوّل تو آپ حضرت خلیفہ اوّل رضؓ کے کامل فرمانبردار اور حضور کے دست و بازو اور زبردست مؤید تھے ۔ دوسرے آپ کے تقویٰ و طہارت ۔ تعلق باللہ ، اجابتِ دُعا اور مقبولیت کی وجہ سے انہیں نظر آرہا تھا کہ جماعت میں آپ کی ہردلعزیزی اور مقبولیت روز بروز ترقی کر رہی ہے اور خود حضرت خلیفۃ المسیح اوّل بھی آپکا بیحد اکرام کرتے ہیں ۔ ان وجوہات کے باعث آپ کا وجود منکرینِ خلافت کو خار کی طرح کھٹکتا تھا ۔

خلافتِ اُولیٰ کے دَور میں آپ نے ہندوستان کے مختلف علاقوں نیز بلادِ عرب و مصر کا سفر کیا ۔ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے ۔ ۱۹۱۱ء میں آپ نے مجلس انصار اللہ قائم فرمائی اور ۱۹۱۳ء میں اخبار الفضل جاری کیا اور اس کی ادارت کے فرائض اپنی خلافت کے دَور تک نہایت عمدگی اور قابلیّت سے سرانجام دیئے ۔

عہدِ خلافت

حضرت خلیفۂ اوّل کی وفات کے بعد ۱۴ / مارچ ۱۹۱۴ء کو مسجد نور میں خلافت کا انتخاب ہُوا ۔ دو اڑھائی ہزار افراد نے جو اس وقت موجود تھے بیعتِ خلافت کی ۔ قریبًا پچاس افراد ایسے تھے جنہوں

نے بیعت نہیں کی۔ اور اختلاف کا راستہ اختیار کیا۔ اختلاف کرنے والوں میں مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب جو اپنے آپ کو سلسلہ کا عمود سمجھتے تھے پیش پیش تھے۔ خلافت سے انکار اور حبل اللہ کی ناقدری کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگ رسول کی تخت گاہ (قادیان) سے منقطع ہوئے۔ صدر انجمن احمدیہ سے منقطع ہوئے۔ نظامِ وصیت سے منقطع ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت سے منکر ہوئے اور اپنے کئی عقائد و نظریات میں اس لئے تبدیلی کرنے پر مجبور ہوئے کہ شاید عوام میں مقبولیت حاصل ہو لیکن وہ بھی نصیب نہ ہوئی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا عہدِ خلافت اسلام کی ترقی اور بے نظیر کامیابیوں کا درخشاں دَور ہے۔ اس باون سالہ دَور میں خدائے تعالیٰ کی غیر معمولی نصرتوں کے ایسے عجیب در عجیب نشانات ظاہر ہوئے کہ ایک دنیا ورطۂ حیرت میں پڑ گئی اور دشمن سے دشمن کو بھی یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہ رہا۔ کہ اس زمانہ میں سلسلہ عالیہ احمدیہ نے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ اور یہ کہ امام جماعتِ احمدیہ بے نظیر صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ آپ کے اس باون سالہ عہدِ خلافت میں مخالفتوں کے بہت سے طوفان اُٹھے۔ اندرونی اور بیرونی فتنوں نے سر اٹھایا مگر آپ کے پائے استقلال کو ذرا جنبش نہ ہوئی اور یہ الٰہی قافلہ خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ اپنی منزل کی جانب بدستور بڑھتا گیا۔ ہر فتنہ

کے بعد جماعت میں قربانی اور فدائیت کی روح میں نمایاں ترقی ہوئی اور قدم آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔ جس وقت منکرین خلافت مرکز سلسلہ کو چھوڑ کر گئے اس وقت انجمن کے خزانے میں چند آنوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ لیکن جس وقت آپ کا وصال ہوا اس وقت صدر انجمن اور تحریک جدید کا بجٹ ۱۷ لاکھ نواسی ہزار تک پہنچ چکا تھا۔ اختلاف کے وقت ایک کہنے والے نے مدرسہ تعلیم الاسلام کے متعلق کہا کہ یہاں اُلّو بولیں گے۔ لیکن خدا کی شان کہ وہ مدرسہ نہ صرف کالج بنا بلکہ اس کے نام پر بیسیوں تعلیمی ادارے مختلف ممالک میں قائم ہوئے۔

مصلح موعود کے بارے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بتلایا تھا۔ وہ لفظاً لفظاً پورا ہوا۔ حضرت فضل عمرؓ جلد جلد بڑھے اور دنیا کے کناروں تک اشاعت اسلام کے مراکز قائم کر کے شہرت پائی۔ آپ کے بہت سے کارناموں میں سے چند کا ذکر اختصار سے درج ذیل ہے:۔

(۱) جماعتی کاموں میں تیزی اور مضبوطی پیدا کرنے کے لئے صدر انجمن احمدیہ کے کاموں کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے نظارتوں کا نظام قائم کیا۔

(۲) بیرونی ممالک میں تبلیغ کے کام کو وسیع پیمانے پر چلانے کے لئے ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید جاری فرمائی اور صدر انجمن احمدیہ سے الگ ایک نئی انجمن یعنی تحریک جدید انجمن احمدیہ کی بنیاد رکھی۔ اس کے نتیجہ میں بفضل ایزدی یورپ، ایشیاء، افریقہ اور امریکہ کے

مختلف ممالک اور جزائر میں نئے تبلیغی مشن قائم ہوئے سینکڑوں مساجد تعمیر ہوئیں۔ قرآن کریم کے مختلف زبانوں میں تراجم ہوئے اور کثرت کے ساتھ اسلامی لٹریچر مختلف زبانوں میں شائع کیا گیا اور لاکھوں افراد اسلام کے نور سے منوّر ہوئے۔

(۳) اندرونِ ملک دیہاتی علاقوں میں تبلیغ کے کام کو مؤثر رنگ میں چلانے کے لئے ۱۹۵۷ء میں "وقفِ جدید انجمن احمدیہ کے نام سے تیسری انجمن قائم کی۔

(۴) جماعت میں قوتِ عمل کو بیدار رکھنے کے لئے آپ نے جماعت میں ذیلی تنظیمیں یعنی انصار اللہ، خدام الاحمدیہ، اطفال الاحمدیہ لجنہ اماء اللہ اور ناصرات الاحمدیہ قائم فرمائیں۔ تاکہ مرد اور عورتیں، بچے اور جوان سب اپنے اپنے رنگ میں آزادانہ طور پر تعلیم و تربیت کا کام جاری رکھ سکیں۔ اور نئی نسل میں قیادت کی صلاحیتیں اُجاگر ہوں۔ ان تنظیموں کا قیام جماعت پر احسانِ عظیم ہے۔

(۵) جماعت میں مل جل کر اور منظم رنگ میں کام کو جاری رکھنے کے لئے مجلسِ شوریٰ کا قیام فرمایا۔

(۶) قرآنی علوم کی اشاعت اور ترویج کے لئے درسِ قرآن کا سلسلہ جماعت میں جاری رکھا۔ تفسیر کبیر کے نام سے کئی جلدوں میں ایک ضخیم تفسیر لکھی جس میں قرآنی حقائق و معارف کو

ایسے اچھوتے انداز میں پیش کیا کہ دل تسلی پاتے ہیں اور اسلام کی حقانیت خوب واضح ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ہر طبقہ کے لوگوں میں قرآنی علوم کا چسکا پیدا کرنے کیلئے قرآن کریم کی ایک نہایت مختصر مگر عام فہم تفسیر الگ تحریر فرمائی جس کا نام "تفسیرِ صغیر" ہے۔

(۷) بحیثیت امام اور خلیفۂ وقت جماعتی ذمہ داریوں کو نبھانے کے علاوہ آپ نے ملک و ملت کی خدمت میں نمایاں اور قابلِ قدر حصہ لیا۔ آپ کی تنظیمی صلاحیتوں کے پیش نظر مسلمانانِ کشمیر کو آزادی دلانے کے لئے جب آل انڈیا کشمیر کمیٹی قائم ہوئی تو آپ کو اس کا صدر منتخب کیا گیا۔ ہر اہم سیاسی مسئلہ کے بارے میں آپ نے مسلمانانِ ہند کی رہنمائی کی اور بیش قیمت مشوروں کے علاوہ درمے درمے ہر طرح ان کی امداد کی۔ کئی مرتبہ اپنے سیاسی مشوروں کو کتابی شکل میں شائع کر کے ملک کے تمام سربرآوردہ اشخاص تک نیز ترجمہ کے ذریعہ ممبران برٹش پارلیمنٹ اور برٹش کیبنٹ تک پہنچایا۔

(۸) تقسیم ملک کے وقت جہاں آپ نے مسلمانوں کی حفاظت اور بہبود کے لئے مقدور بھر کوششیں کیں وہاں اپنی جماعت کے لئے ۱۹۴۸ء میں ربوہ جیسے بے آب دگیاہ علاقہ میں ایک فعال مرکز قائم کیا۔ جہاں سے الحمد للہ تبلیغ اسلام کی مہم پورے زور سے

پروان چڑھ رہی ہے۔ ایک بنجر اور شور زدہ علاقہ میں بے سر و سامانی کے باوجود ایک پُر رونق بستی کا آباد کر دینا خود اپنی ذات میں ایک بڑا کارنامہ ہے۔ یہ بستی نہ صرف تبلیغ اسلام کا اہم ترین مرکز ہے۔ بلکہ ملک میں علم کی ترقی اور ترویج کا بھی ایک ممتاز سنٹر ہے اس کے علاوہ کھیلوں کے میدان میں بھی قابلِ ذکر کردار ادا کر رہی ہے۔

(۹) آپ نے تاریخ اسلام کے واقعات کو بہتر رنگ میں سمجھنے اور یاد رکھنے کے لئے ہجری شمسی سن جاری فرمایا۔

(۱۰) آپ نے متعدد والیان ریاست اور سربراہان مملکت کو تبلیغی خطوط ارسال کئے اور انہیں احمدیت یعنی حقیقی اسلام سے روشناس کرایا۔ ان میں امیر امان اللہ خاں والیٔ افغانستان، نظام دکن۔ پرنس آف ویلز اور لارڈ اردن وائسرے ہند خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۱۹۳۹ء میں خلافت کے پچیس سال پورے ہونے پر سلور جوبلی کی تقریب منعقد ہوئی اور جماعت نے تین لاکھ کی رقم اپنے امام کے حضور تبلیغ اسلام کی توسیع کے لئے پیش کی۔ پھر ۱۹۶۴ء میں جب خلافتِ ثانیہ پر پچاس سال پورے ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے حضور اظہارِ تشکر کے طور پر خاص دعائیں کی گئیں اور اپنے پیارے امام کے مقاصدِ عالیہ کی تکمیل کے

لئے جماعت نے پچیس ۲۵ لاکھ سے زائد رقم بطور شکرانہ پیش کی۔
۱۹۴۴ء میں بذریعہ رؤیا و الہام آپ پر اس امر کا انکشاف ہوا کہ آپ ہی وہ مصلح موعود ہیں جس کی پیشگوئی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے فرمائی تھی۔ اس انکشاف کے اعلان کے لئے آپ نے ہوشیار پور، لدھیانہ، لاہور اور دہلی میں جلسے منعقد کر کے معرکۃ الآراء تقاریر کیں اور اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا ذکر کیا۔

آپ نے یورپ کا دو ۲ مرتبہ سفر کیا۔ پہلی مرتبہ آپ ۱۹۲۴ء میں ویمبلے کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن تشریف لے گئے جہاں مختلف مذاہب کے نمائندوں نے اپنے اپنے مذاہب کی خوبیاں بیان کیں۔ اس کانفرنس میں آپ کا مضمون "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" انگریزی میں ترجمہ ہو کر پڑھا گیا۔ ۱۹۵۴ء میں آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ علاج سے زخم تو بظاہر مندمل ہو گئے لیکن تکلیف جاری رہی۔ اس لئے ۱۹۵۵ء میں آپ دوسری مرتبہ بغرض علاج یورپ تشریف لے گئے۔

وفات

مندرجہ بالا سانحہ فاجعہ کے بعد آپ کی صحت برابر گرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ وہ المناک گھڑی آ پہنچی۔ جب آپ تقدیر الٰہی کے ماتحت

اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے ۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

یہ ۸ اور ۹ نومبر ۱۹۶۵ء کی درمیانی شب تھی ۔ حضرت امیرالمومنین صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رضی اللہ عنہ نے ۹ نومبر کو بہشتی مقبرہ ربوہ کے وسیع احاطہ میں نماز جنازہ پڑھائی اور پچاس ہزار افراد نے دلی دعاؤں اور اشکبار آنکھوں کیساتھ آپ کو سپرد خاک کیا ۔
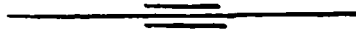
حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ

۱۹۰۹ء تا ۱۹۸۲ء

ابتدائی زندگی

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو جہاں اللہ تعالیٰ نے اولاد کی بشارت دی تھی وہاں ایک نافلہ کی بھی خاص طور پر بشارت دی تھی جیسا کہ فرمایا:۔

اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ نَافِلَۃً لَّکَ۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۵۔ تذکرہ صفحہ ۶۴۶)

یعنی ہم ایک لڑکے کی تجھے بشارت دیتے ہیں جو تیرا پوتا ہوگا۔

مواہب الرحمٰن صفحہ ۱۱۶ میں بھی پانچویں فرزند (یعنی پوتے) کی بشارت موجود ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک خاص فرزند کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ آپ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"مجھے بھی خدائے تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ میں تجھے ایک ایسا لڑکا دوں گا جو دین کا ناصر ہوگا۔ اور اسلام کی خدمت پر کمربستہ ہوگا۔" (تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۳۲)

غرض حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رضؓ بھی ایک رنگ سے موعود خلیفہ تھے۔ ان پیش خبریوں کے مطابق حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رضی اللہ عنہ، ۱۶ نومبر ۱۹۰۹ء کو بوقت شب پیدا ہوئے۔

۱۷ اپریل ۱۹۲۲ء کو جبکہ آپ کی عمر ۱۳ سال تھی۔ حفظِ قرآن کی تکمیل کی توفیق ملی۔ بعد ازاں حضرت مولینا سید محمد سرور شاہ صاحب رضؓ سے عربی اور اُردو پڑھتے رہے۔ پھر مدرسہ احمدیہ میں دینی علوم کی تحصیل کے لئے باقاعدہ داخل ہوئے اور جولائی ۱۹۲۹ء میں آپ رضؓ نے پنجاب یونیورسٹی سے "مولوی فاضل" کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد میٹرک کا امتحان دیا۔ اور پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہو کر ۱۹۳۴ء میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اگست ۱۹۳۴ء میں آپ کی شادی ہوئی۔ ۶ ستمبر ۱۹۳۴ء کو بغرض تعلیم انگلستان کیلئے روانہ ہوئے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی سے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کر کے نومبر ۱۹۳۸ء میں واپس تشریف لائے۔ یورپ سے واپسی پہ جون ۱۹۳۹ء سے اپریل ۱۹۴۴ء تک جامعہ احمدیہ کے پرنسپل رہے۔ فروری ۱۹۳۹ء میں مجلس خدام الاحمدیہ کے صدر بنے۔ اکتوبر ۱۹۴۹ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ، نے بنفسِ نفیس خدام الاحمدیہ کی صدارت کا اعلان فرمایا تو نومبر ۱۹۵۴ء تک بحیثیت نائب صدر مجلس کے کاموں کو نہایت عمدگی سے چلاتے رہے۔ مئی ۱۹۴۴ء سے لے کر نومبر ۱۹۶۵ء تک (یعنی تا انتخاب خلافت)

تعلیم الاسلام کالج کی پرنسپلی کے فرائض سرانجام دیئے۔ جون ۱۹۴۸ء سے
جون ۱۹۵۰ء تک فرقان بٹالین کشمیر کے محاذ پر دادِ شجاعت دیتے رہے
آپ اس بٹالین کی انتظامی کمیٹی کے ممبر تھے۔ ۱۹۵۳ء میں پنجاب
میں فسادات ہوئے اور مارشل لاء کا نفاذ ہوا۔ تو اس وقت
آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس طرح سنتِ یوسفی کے مطابق آپ کو کچھ عرصہ
قید و بند کی صعوبتیں جھیلنا پڑیں۔ ۱۹۵۴ء میں مجلس انصار اللہ کی
زمامِ قیادت آپ کے سپرد کی گئی۔ مئی ۱۹۵۵ء میں حضرت خلیفۃ المسیح
الثانیؓ نے آپ کو صدر انجمن احمدیہ کا صدر مقرر فرمایا۔ کالج کی پرنسپلی
کے علاوہ صدر انجمن احمدیہ کے کاموں کی نگرانی بھی تا انتخاب خلافت
آپ کے سپرد رہی۔ تقسیمِ ملک سے قبل باؤنڈری کمیشن کے لئے
مواد فراہم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا اور حفاظتِ مرکز (قادیان)
کے کام کی براہِ راست نگرانی کرتے رہے۔

خلافت کا دور

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں
ہی آئندہ نئے خلیفہ کے انتخاب کے لئے ایک مجلس مقرر فرما دی تھی
جو "مجلسِ انتخابِ خلافت" کے نام سے موسوم ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح
الثانیؓ کی وفات پر اس مجلس کا اجلاس ۸ر نومبر کو بعد نمازِ عشاء مسجد
مبارک میں زیرِ صدارت حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ ناظرِ اعلیٰ

منعقد ہؤا۔ جس میں حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؓ کو آئندہ کے لئے خلیفۃ المسیح منتخب کیا گیا۔ اراکین مجلس انتخاب نے اسی وقت آپ کی بیعت کی۔ اس کے بعد انتخاب کا اعلان ہؤا۔ اور اندازاً پانچ ہزار افراد نے اسی دن آپ کی بیعت کی۔ پھر بیرونی جماعتوں نے تاروں اور خطوط کے ذریعہ اقرار اطاعت کیا۔ خلافتِ ثالثہ کے انتخاب کے وقت الحمد للہ کسی قسم کا اختلاف نہیں ہؤا۔ اور ساری جماعت نے والہانہ انداز میں قدرتِ ثانیہ کے تیسرے مظہر حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؓ کو اپنا امام تسلیم کیا۔

تحریکات

آپ نے اپنے دَورِ خلافت میں متعدد تحریکیں جاری فرمائیں جنکا مختصر ذکر درج ذیل ہے:۔

پہلی تحریک

۱۷ دسمبر ۱۹۶۵ء کو جبکہ ملک میں غلّہ کی کمی محسوس ہو رہی تھی آپ نے جماعت کے امراء اور خوشحال طبقہ کو تحریک کی کہ وہ غرباء، مساکین اور یتامیٰ کے لئے مناسب بندوبست کریں اور کوئی احمدی ایسا نہ ہو جو بھوکا سوئے اس پر جماعت نے بصد شوق عمل کیا اور کر رہی ہے ؛

دوسری تحریک

اس تعلق اور محبّت کے اظہار کے لئے جو جماعت کو حضرت فضلِ عمر سے ہے۔ آپ نے ۲۵ لاکھ روپیہ کے سرمایہ سے فضلِ عمر فائونڈیشن قائم کرنے کی تحریک فرمائی۔ جماعت نے بفضلِ ایزدی ۳۶ لاکھ سے زائد رقم اس مد میں پیش کی۔ اس فنڈ سے فضلِ عمر لائبریری قائم ہو چکی ہے۔ نیز علمی اور تحقیقی شوق پیدا کرنے کے لئے ہزار ہزار روپے کے ۵ انعامات ہر سال بہترین مقالہ نگاروں کو پیش کئے جاتے ہیں۔

تیسری تحریک

تعلیم القرآن کے بارے میں ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جماعت میں کوئی فرد بھی ایسا نہ رہے جو قرآن کریم ناظرہ نہ جانتا ہو۔ جو ناظرہ پڑھ سکتے ہوں وہ ترجمہ سیکھیں اور قرآنی معارف سے آگاہ ہوں۔

چوتھی تحریک

وقفِ عارضی کی ہے۔ اس تحریک کے تحت واقفین دو سے چھ ہفتوں تک اپنے خرچ پر کسی مقررہ مقام پر جا کر قرآن کریم پڑھاتے اور تربیت کا کام کرتے ہیں۔

پانچویں تحریک

مجلسِ موصیان کا قیام ہے۔ موصیوں کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں تعلیم القرآن کا انتظام کریں اور نگرانی کریں کہ کوئی فرد ایسا نہ رہے کہ جو قرآن کریم نہ جانتا ہو۔

چھٹی تحریک

بَد رسوم کو ترک کرنے کی جاری فرمائی۔

ساتویں تحریک

چندہ وقفِ جدید اطفال کی ہے اس کے تحت ہر احمدی طفل کیلئے لازمی قرار دیا کہ وہ ۵۰ پیسے ماہوار وقفِ جدید کا چندہ ادا کرکے اس کے مالی جہاد میں شریک ہو۔

آٹھویں تحریک

تسبیح و تحمید اور درود شریف کا بالالتزام ورد کرنا ہے۔ بڑے کم از کم ۲۰۰ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ کا ورد کریں اور ۱۰۰ بار استغفار کریں ۱۵ سے ۲۵ سال عمر والے ۱۰۰ بار تسبیح پڑھیں اور ۳۳ مرتبہ استغفار۔

۷ سے ۱۵ سال تک عمر والے ۳۳ مرتبہ تسبیح پڑھیں اور ۱۱ مرتبہ استغفار۔
۷ سال سے کم عمر کے بچوں کو والدین ۳ بار تسبیح اور استغفار پڑھائیں۔

نویں تحریک (نصرت جہاں ریزرو فنڈ سکیم)

۱۹۶۷ء میں حضور نے یورپ کے متعدد ممالک کا دورہ کیا تھا اور ڈنمارک کے دارالسلطنت کوپن ہیگن میں مسجد نصرت جہاں کے افتتاح کے علاوہ اقوامِ مغرب کو جلد آنیوالی تباہیوں کے متعلق انذار فرمایا۔ پھر ۱۹۷۰ء میں حضور نے مغربی افریقہ کے سات ممالک نائیجیریا۔ گھانا۔ آئیوری کوسٹ۔ لائیبریا۔ گیمبیا اور سیرالیون کا دورہ فرمایا۔ اس دورہ میں منشاءِ الٰہی سے ایک خاص پروگرام کا اعلان فرمایا۔ جس کا نام حضور نے "لیپ فارورڈ پروگرام" تجویز کیا۔ اور اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک لاکھ پونڈ کا "نصرت جہاں ریزرو فنڈ" قائم کرنے کی تحریک فرمائی۔ اس تحریک کا مقصد افریقہ میں اسلام کا قیام و استحکام ہے جسکا نتیجہ انشاءاللہ العزیز اسلام کے عالمگیر غلبہ کی صورت میں نکلنا مقدر ہے۔ اس فنڈ سے افریقہ کے ممالک میں مزید تعلیمی سنٹر کھولے جا رہے ہیں اسکے علاوہ وہاں طبّی مراکز بھی قائم ہو رہے ہیں۔ اسی فنڈ سے افریقہ کے کسی ملک میں ایک طاقتور ریڈیو سٹیشن قائم کرنے کی تجویز ہے جہاں سے اسلام کا پیغام ۲۴ گھنٹے ساری دنیا میں نشر ہوتا رہے گا۔ اسی طرح ایک بڑا پریس مرکز میں قائم کیا جائے گا جسکے ذریعہ مختلف زبانوں میں

قرآن کریم کے تراجم اور دوسرا اسلامی لٹریچر شائع کیا جائے گا۔
نصرت جہاں ریزرو فنڈ سکیم کے تحت افریقی ممالک میں اس وقت تک جو میڈیکل سنٹرز اور سیکنڈری سکول کھولے جا چکے ہیں انکی تفصیل یہ ہے:۔
نائیجیریا میں تین میڈیکل سنٹر اور دو سیکنڈری سکول۔ غانا میں چار میڈیکل سنٹر اور چھ سیکنڈری سکول۔ لائبیریا میں ایک میڈیکل سنٹر اور ایک سیکنڈری سکول۔ گیمبیا میں ۵ نئے میڈیکل سنٹر اور سیرالیون میں چار میڈیکل سنٹر اور چھ سیکنڈری سکول۔

دسویں تحریک۔ "صد سالہ احمدیہ جوبلی فنڈ سکیم"

اللہ تعالیٰ کے منشاء اور حکم کے مطابق جماعت احمدیہ کی بنیاد ۱۸۸۹ء میں رکھی گئی۔ اس لحاظ سے ۱۹۸۹ء میں اس کے قیام پر سو سال گزر جائیں گے اور اس سال سے جماعت کی دوسری صدی شروع ہو گی جو اللہ تعالیٰ کی بشارات کے مطابق انشاء اللہ غلبۂ اسلام کی صدی ہو گی۔ اس دوسری صدی کے استقبال کے لئے جس کے شروع ہونے میں ابھی سولہ سال باقی تھے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے حسب منشاء الٰہی جلسہ سالانہ ۱۹۷۳ء کے موقع پر جماعتہائے بیرون کی تربیت، اشاعتِ اسلام کے کام کو تیز سے تیز تر کرنے، غلبۂ اسلام کے دن کو قریب سے قریب تر لانے اور نوعِ انسان کے دل خدا اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وسلم کے لئے جیتنے کے لئے ایک عظیم منصوبے کا اعلان فرمایا۔ اس کے اغراض و مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ ابھی دنیا میں بہت سے ایسے ممالک ہیں جہاں ہماری منظم جماعتیں اور مشن قائم نہیں ہوئے۔ اس لئے اس منصوبہ کے ایک ابتدائی حصّہ کی رُو سے یہ تجویز ہے کہ کم از کم سَو زبانوں میں اسلام کی بنیادی تعلیم کے تراجم کرکے بیرونی ملکوں میں کثرت سے اشاعت کی جائے اور اس ذریعہ سے وہاں کے باشندوں کی تربیت و اصلاح اور ان کو اسلام کی طرف لانے کی کوشش کی جائے۔ نیز فرمایا۔ کئی جگہ ہمیں نئے مشن کھولنے پڑیں گے اور وہاں مسجدیں بنانی پڑیں گی۔

اس منصوبے کی تکمیل کے لئے مالی قربانی کے سلسلہ میں حضور نے فرمایا:۔

"میں نے مخلصین جماعت سے آئندہ سولہ [16] سال میں ڈھائی کروڑ روپیہ جمع کرنے کی اپیل کی تھی اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے یہ اعلان بھی کر دیا تھا۔ کہ انشاء اللہ یہ رقم پانچ کروڑ تک پہنچ جائے گی۔"

اس مالی جہاد میں شرکت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ

"وہ لوگ جو ملازمت پیشہ یا مزدور پیشہ ہیں اور ان کی ماہوار آمد معین ہے۔ وہ اپنے وعدہ کو سولہ پر تقسیم کر دیں اور ہر سال کا جو حصّہ بنتا ہے اسے بارہ ماہ میں تقسیم کرکے ماہ بماہ ادائیگی کرتے چلے جائیں۔"

زمیندار احباب کے بارے میں جن کی سال میں دو بار آمد ہوتی ہے۔ فرمایا کہ

"وہ ہر فصل پر اپنے وعدہ کا ½۲ حصہ ادا کرتے رہیں - باقی افراد جو تاجر پیشہ ہیں یا وکلاء، ڈاکٹر، انجنیئر وغیرہ ہیں اور جن کی آمد نہ معین ہوتی ہے نہ اس کا وقت مقرر ہے وہ پہلے سال میں ہی شرح کا خیال رکھے بغیر ہمت کر کے جس قدر زیادہ سے زیادہ دے سکتے ہوں ادا کریں۔ اور پھر ہر سال اپنا وعدہ آمد کے مطابق ادا کریں۔

اس عظیم منصوبہ کے رُوحانی پہلو کے طور پر حضور نے سولہ سال کے لئے جو پروگرام تجویز فرمایا وہ یہ ہے :-

۱ - جماعت احمدیہ کے قیام پر ایک صدی مکمل ہونے تک ہر ماہ احباب جماعت ایک نفلی روزہ رکھا کریں جس کے لئے ہر قصبہ، شہر یا محلہ میں مہینہ کے آخری ہفتہ میں کوئی ایک دن مقامی طور پر مقرر کر لیا جایا کرے۔

۲ - دو نفل روزانہ ادا کئے جائیں۔ جو نماز عشاء کے بعد سے لے کر فجر سے پہلے تک یا نماز ظہر کے بعد ادا کئے جائیں ۔

۳ - کم از کم سات بار سورۃ فاتحہ کی دُعا غور و تدبر کے ساتھ پڑھی جائے۔

۴ - درود شریف، تسبیح و تحمید نیز استغفار کا ورد روزانہ ۳۳، ۳۳ بار کیا جائے۔ درود اور تسبیح و تحمید کے لئے

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔
پڑھ سکتے ہیں۔

۵۔ مندرجہ ذیل دعائیں روزانہ کم ازکم گیارہ بار پڑھی جائیں:۔
رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا
وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۝
اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَ
نَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ ۝

اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ ۵۴ سے زائد ممالک کی جماعتہائے احمدیہ نے اس تحریک میں حصّہ لیا ہے۔ اس تحریک کا ثمرہ یہ ہے کہ گوٹن برگ (سویڈن) میں ایک شاندار مسجد تعمیر ہو چکی ہے۔

ایک اور شیریں ثمر یہ ہے کہ اس منصوبہ کے تحت لندن میں ایک بین الاقوامی کسرِ صلیب کانفرنس جون ۱۹۷۸ء میں منعقد ہوئی۔ جس میں کئی ممالک کے عیسائی اور مسلم محققین نے تحقیقی مقالے پڑھے اور ثابت کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے صلیب پر وفات نہیں پائی۔

اس عظیم منصوبے کا ایک اور شیریں و طیّب ثمر اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے "مسجد نور" اوسلو کی شکل میں ۱۹۸۰ء میں عطا فرمایا۔ مسجد نور ناروے کی پہلی اور بلحاظ ترتیب یورپ کی آٹھویں مسجد ہے۔

جس کا افتتاح حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث نے اپنے سفر یورپ کے دوران فرمایا۔ اس کے علاوہ برطانیہ میں پانچ نئے مراکز کا قیام عمل میں آیا۔

مسجد بشارت کی تاسیس

حضور نے جون تا اکتوبر ۱۹۸۰ء یورپ کا جو سفر کیا اس کا اہم ترین واقعہ مسجد بشارت پیدرو آباد کی تاسیس تھا۔ اس سفر کے دوران حضور سپین تشریف لے گئے اور قرطبہ سے ۲۲/۲۳ میل دور قصبہ پیدرو آباد میں ایک مسجد کی بنیاد رکھی جو حضورؒ کے عہدِ مبارک میں ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ حضور نے اس کا نام مسجد بشارت تجویز فرمایا۔ اور اس کے افتتاح کے لئے ۱۰ ستمبر ۱۹۸۲ء کی تاریخ مقرر فرمائی۔ یہ مسجد ۴۴ سال بعد تعمیر ہونے والی سپین کی پہلی مسجد ہے۔ مسجد کی بنیاد رکھے جانے کے وقت پیدرو آباد کے ہزاروں مرد، عورتیں اور بچوں نے بڑی خوشی سے اس تقریب میں شرکت کی۔ قصبہ کی ایک معمر ترین عورت اور ایک سب سے کم عمر بچے نے بھی (بذریعہ اپنی والدہ) سنگِ بنیاد رکھنے کی سعادت حاصل کی۔ اس موقعہ پر خطاب کرتے ہوئے حضور نے فرمایا۔ اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ

"محبت سب کے لئے نفرت کسی سے نہیں"

چودھویں صدی ہجری کو الوداع اور پندرھویں کا استقبال

چودھویں صدی ہجری کے آخری سالانہ اجتماع مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ منعقدہ نومبر ۱۹۸۰ء کے موقعہ پر خطاب کرتے ہوئے حضرت امیرالمومنین نے فرمایا کہ چودھویں صدی نے ہمیں خدا سے ملا دیا۔ ہم پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن اور قرآن کریم کی عظمت واضح کر دی۔

چودھویں صدی نے جہاں اسلام کا تنزل دیکھا وہاں تیرہ سو سال پہلے کی بے شمار پیشگوئیاں پوری ہوتی دیکھیں۔ اس زمانہ میں اسلام کا ضعف بھی دیکھا اور اسلام کی عظمت و جلال کے شاہکار بھی دیکھے۔ ہمیں چودھویں صدی نے مہدی دیا جس کے آنے سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ کی تاثیر سے زندہ خدا کیسا تھ زندہ رشتہ پیدا ہوگیا۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب مہدی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے دلوں میں گاڑ دی۔

پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر اس صدی کو غلبۂ اسلام کی صدی بنانے کے لئے بہت دعائیں کی گئیں اور صدقات دیئے گئے۔ مرکزی ادارہ جات اور اہالیان ربوہ کی طرف سے یکم محرم الحرام ۱۴۰۱ھ سے ۷ محرم تک ۱۰۱ بکرے بطور صدقہ دئے گئے۔ ۹ ر نومبر کی شام کو غروب آفتاب کے چند منٹ بعد پہلا بکرا حضرت امیرالمؤمنین نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور دُعا فرمائی۔ ربوہ کے علاوہ

دوسرے مقامات کے احمدی مردوں اور عورتوں نے کثرت سے قربانیاں کیں اور غلبۂ اسلام کے لئے دعائیں مانگیں۔

جماعت کے لئے تعلیمی منصوبے

حضور نے مجلس انصار اللہ کے سالانہ اجتماع منعقدہ اکتوبر ۱۹۷۹ء کے آخری اجلاس میں غلبۂ اسلام کی صدی کے استقبال کے لئے ایک دس سالہ تعلیمی پروگرام پیش کیا اور فرمایا :-

"بلا استثناء ہر احمدی بچہ "قاعدہ لیسرنا القرآن" پڑھے۔ جو احباب قرآن کریم ناظرہ جانتے ہیں وہ ترجمہ سیکھیں اور جو ترجمہ جانتے ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ تفسیر سیکھیں جو خود اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھائی۔ اور وہ تفسیر بھی سیکھیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نور اور بصیرت و معرفت کے زیر سایہ خود کی۔ اس کے علاوہ ہر احمدی بچہ کم از کم میٹرک ضرور پاس کرے اور غیر معمولی ذہانت اور اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل طلباء کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق مزید اعلیٰ تعلیم دلانا جماعت کی ذمہ داری ہوگی۔ اس پروگرام کی آخری شق حضور نے یہ بیان فرمائی کہ سب احمدی اسلام کی حسین اخلاقی تعلیم پر قائم ہوں۔"

(الفضل ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۹ء)

حضور؟ نے مجلس مشاورت ۱۹۸۰ء کے موقعہ پر جماعت کے لئے ایک عظیم علمی منصوبے کا اعلان فرمایا جس کے اہم نکات یہ ہیں :-

(۱) "ہر بچہ کم از کم میٹرک تک اور ہر بچی کم از کم مڈل تک ضرور تعلیم حاصل کرے۔"

(الفضل ۲۴ اپریل ۱۹۸۱ء)

(۲) کوئی احمدی بچہ پیچھے نہ رہے گا بلکہ آگے سے آگے بڑھے گا۔ وہ ذہین بچے جو حالات کی وجہ سے آگے نہیں آ سکتے انہیں جماعت سنبھالے گی۔ دعائیہ لحاظ سے بھی اور مالی لحاظ سے بھی۔ اس لئے عہد کرو کہ کسی سے پیچھے نہیں رہنا۔ آج خدا تمہیں دینے کو تیار ہے تو تمہیں لینے کو تیار ہونا چاہیئے۔"

(الفضل ۱۱ اپریل ۱۹۸۱ء)

(۳) گذشتہ جلسہ سالانہ (یعنی ۱۹۷۹ء) پر میں نے وظائف کا اعلان کیا تھا کہ مستحق اور ذہین طلباء کو بغیر ذہنی نشوونما کے نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس کا نام انعامی وظیفہ نہیں بلکہ ادائیگی حقوق طلباء رکھنا چاہیئے .... آئندہ دس برس کے اندر ہر احمدی قرآن کریم کی تعلیم اپنی عمر کے مطابق سیکھے۔ یہ کام خدام الاحمدیہ، انصار اللہ اور لجنہ اماء اللہ کے ذمہ ہے ..... پہلے مرحلہ میں ہر احمدی گھرانے میں ایک تو تفسیر صغیر کا ہونا ضروری ہے اور دوسرے حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کی بیان فرمودہ تفسیر قرآن بھی پڑھنی ضروری ہے .... میں نے اس سلسلہ میں خدام الاحمدیہ انصار اللہ اور لجنہ اماء اللہ کو یہ ہدایت دی تھی کہ وہ ان کے خریدنے کے لئے اپنی اپنی کلب بنائیں اور جماعت ایک کمیٹی بنائے جو ان ہر سہ تنظیموں میں co-ordination (رابطہ) پیدا کرے .... یہ جو سکیم میں نے کراچی سے شروع کی تھی آج اس میں وسعت پیدا کر رہا ہوں اور اسے ساری جماعت کے لئے دینی تعلیم سکھانے کی بنیاد بنا رہا ہوں ۔ یہ سکیم اس سال مکمل ہو جانی چاہیئے ۔"

(۴) ا ۔ پانچویں کلاس کے وظیفہ کا امتحان (جو غالباً ضلعی سطح پر ہوتا ہے) اس میں اُوپر کی ۳۰۰ پوزیشنوں میں ہر ضلع میں جو احمدی بچہ آئے گا اسے میں اپنے دستخط سے دعائیہ خط اور حضرت مسیح موعودؑ کی کوئی کتاب تحفہ کے طور پر اپنے دستخطوں اور دعائیہ فقرہ لکھ کر بھیجوں گا ۔

ب ۔ آٹھویں کے وظیفہ کا امتحان جو غالباً ڈویژن کی سطح پر ہوتا ہے ۔ اس میں ہر ڈویژن میں اُوپر کی ۳۰۰ نشستوں میں جو احمدی طالب علم آئے گا اسے بھی اپنے دستخطوں سے دعائیہ خط اور کتاب تحفتہً بھیجوں گا ۔

(ج) دسویں جماعت کا امتحان ایجوکیشن بورڈ لیتا ہے ۔ ہر

بورڈ کے امتحان میں TOP کے ۲۰۰ لڑکوں میں سے جو
بھی احمدی طالب علم/طالبہ آئے گا/آئے گی اس کو اپنے
دستخطوں سے خط اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی
پانچ کتب میں سے ایک تفسیر کی کتاب ان کی ذہنی
قابلیت کی قدر کرتے ہوئے بھیجوں گا۔

(د) الیف اے اور ایف ایس سی میں ہر بورڈ میں اوپر کی
۳۰۰ پوزیشنوں میں جو بھی احمدی طالب علم آئیگا اسے
بھی دعائیہ خط اور ایک تفسیر کی کتاب بھجوائی جائے گی۔

(ھ) یونیورسٹی کے امتحان میں بی۔اے کے لئے علیحدہ اور
بی ایس سی کے لئے علیحدہ اوپر کے ۲۰۰ طلباء/طالبات
میں سے احمدی طلبہ کے لئے دستخطوں سے دعائیہ خط
اور حضرت مسیح موعودؑ کی تفسیر کی کتابوں میں سے ایک
کتاب تحفۃً بھیجوں گا۔

(و) ایم اے، ایم ایس سی، میڈیکل یا انجینیرنگ کے فائنل
امتحان میں ہر مضمون میں TOP (چوٹی) کی سات پوزیشنوں
میں جو احمدی طالب علم آئے گا اسے دعائیہ خط، تفسیر
صغیر اردو یا انگریزی ترجمہ قرآن اپنے دستخط کر کے دعائیہ
فقرہ کے ساتھ بھیجوں گا۔

اسی سلسلہ میں حضور نے فرمایا:۔

"یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ جماعت کو ذہین بچے عطا کر رہا ہے۔ پس جو بچے جینیس (GENIUS) ہیں جماعت ان کی ہر قسم کی مدد کرے گی۔ آج ہر احمدی بچے کو ایک نظام میں باندھنا ضروری ہے۔ اس لئے میں دفتر کو ہدایت دیتا ہوں کہ وہ ضلع وار اور پائیدار شکل میں رجسٹر بنائیں۔ پانچویں جماعت سے پی ایچ ڈی تک ہر ذہین بچے پر شفقت کی نظر رکھیں۔ ہر ایک بچے سے اسی طرح تعلق رکھیں جس طرح طبیب کی انگلیوں کا بیمار کی نبض کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ جماعتیں اس بات کا خیال رکھیں کہ پہلی کلاس سے آخری کلاس تک کوئی احمدی بچہ نہ رہے جس نے اس سال امتحان دیا اور مجھے اس کا خط نہ آئے۔ اس بنیاد پر دفتر نے رجسٹر بنانے ہیں"

"بیرونی ملکوں کے بارے میں جائزہ لیا جا رہا ہے۔ سردست یہ سکیم صرف پاکستان بھارت اور بنگلہ دیش کی جماعتوں کے لئے ہے جو ۱۹۸۰ء سے شروع ہوتی ہے"

انعامات

صد سالہ احمدیہ تعلیمی منصوبے کے تحت دسمبر ۱۹۸۲ء تک ۸۴ طلبہ/طالبات کو طلائی اور نقرئی تمغے دیئے جا چکے ہیں۔

میٹرک سے ایم ۔ اے / ایم ایس سی تک بورڈ اور یونیورسٹی میں اوّل آنے والے کو طلائی تمغہ مشتمل بر ایک تولہ خالص سونا اور تفسیر صغیر یا انگریزی ترجمہ قرآن دستخطی حضور دیا جاتا ہے ۔

ہر دوم آنے والے طالب علم / طالبہ کو طلائی تمغہ مشتمل بر ۳/۴ تولہ سونا اور تفسیر صغیر یا انگریزی ترجمہ قرآن دستخطی حضور دیا جاتا ہے ۔

ہر سوم آنے والے / والی کو چاندی کا تمغہ اور تفسیر صغیر / انگریزی ترجمہ قرآن دیا جاتا ہے ۔

حضور نے احمدی طلبہ کے لئے آگے بڑھنے کے چند اصول بھی بیان فرمائے ہیں جو یہ ہیں :۔

۱ ۔ سویابین کا استعمال کیا جائے ۔ ذہن کی تقویت کیلئے بہترین چیز ہے ۔

۲ ۔ ہر احمدی طالب علم محنت سے پڑھے اور وقت کو ضائع نہ کرے ۔

۳ ۔ صحت کو برقرار رکھنے کے لئے متوازن غذا استعمال کی جائے ۔

۴ ۔ صحت کو برقرار رکھنے کے لئے ورزشیں کی جائیں ۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کا وِرد

مجلس خدام الاحمدیہ کے ۲۶ ویں سالانہ اجتماع کے موقعہ پر فرمایا کہ ۱۸۸۲ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانی سلسلہ احمدیہ کو ایک الہام ہُوا جس کے پورا ہونے کے سامان نہیں تھے ۔ پھر حضور نے اپنا ایک کشف

بیان فرمایا جس میں آپ نے دیکھا کہ ساری کائنات سمندر کی انگوری رنگ کی لہروں کی طرح پر لہر در لہر آگے بڑھتی اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا وِرد کرتی جارہی ہے۔ حضور نے اس کشف کی یہ تعبیر فرمائی کہ اب توحید الٰہی کے قیام کا وقت آگیا ہے۔ ۱۸۸۲ء کے مسیح موعودؑ کے طویل سلسلہ الہامات کا آخری حصّہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تھا۔ اس کے بعد الہام ہوا "فاکتب" اسے لکھ رکھو اور طبع کراؤ اور پھر ساری زمین میں شائع کردو۔ اب اس الہام پر عمل کا وقت آگیا ہے۔ اسے طبع کرا کر ساری دنیا میں پھیلا دو۔

حضور کی اس ہدایت پر فوری عمل شروع ہوگیا اور بینروں کے ذریعہ۔ نیز دوسرے طریق پر جماعت میں اس کی اشاعت کی ایک رَو چل پڑی۔ فرض نمازوں کے بعد بھی گیارہ مرتبہ بہت دھیمی آواز میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا وِرد کیا جانے لگا۔ جو حضور کی زندگی میں برابر جاری رہا۔

کچھ عرصہ بعد مخالفین نے اعتراض شروع کردیا کہ احمدیوں نے کلمہ طیّبہ میں تصرف شروع کردیا ہے اور محمد رسُول اللہ کے الفاظ (نعوذ باللہ) حذف کردیئے ہیں۔ اس غلط فہمی کو دُور کرنے کے لئے حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ہدایت فرمائی کہ اگر جلسوں کے موقعوں پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے بینر آویزاں کرنے ہوں تو حدیث نبویؐ کے پورے الفاظ یعنی :۔

افضل الذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ۔

(ترمذی کتاب الدعوات)

لکھے جایا کریں تاکہ غلط فہمی کا امکان نہ رہے ۔ نیز مساجد میں اس کا وِرد بلند آواز سے نہ کیا جائے بلکہ دوسرے اوراد کی طرح یہ وِرد بھی خاموشی سے کیا جائے ۔

قرآن مجید کی عالمی اشاعت

خلافت ثالثہ کا ایک اہم کارنامہ قرآن کریم کی وسیع اشاعت ہے ۔ اس غرض کے لئے حضور نے یورپ ، امریکہ اور افریقہ کے مختلف ممالک میں ہوٹلوں میں قرآن کریم رکھنے کی ایک مہم جاری فرمائی جس کے نتیجہ میں درجنوں ممالک کے ہوٹلوں میں کلامِ پاک کے ہزارہا نسخے رکھوائے گئے اور یہ سلسلہ برابر جاری اور ترقی پذیر ہے ۔

حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ کی وفات

حضرت سیّدہ منصورہ بیگم صاحبہ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نور اللہ مرقدہٗ مختصر لیکن شدید علیل رہنے کے بعد ۳ اور ۴ دسمبر ۱۹۸۱ء کی درمیانی شب رحلت فرما گئیں ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

۴ دسمبر کی شام ۴ بجے مرحومہ کا جنازہ احاطہ بہشتی مقبرہ میں حضرت

خلیفۃ المسیح الثالث نور اللہ مرقدہٗ نے پڑھا جس میں پچاس ہزار احباب نے شرکت کی۔

عقدِ ثانی

حضرت سیّدہ بیگم صاحبہ کو حضرت امیرالمومنین کی ۴۰ سال سے زائد رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ میں وہ تمام خوبیاں جو خلیفۂ وقت کی رفیقۂ حیات میں ہونی چاہئیں پائی جاتی تھیں۔ ایسی رفیقۂ حیات کی جدائی قدرتی طور پر حضور کے لئے عظیم صدمہ کا موجب تھی وہاں حضور کے فرائض خلافت اور دینی مہمات میں ایک طرح سے روک اور حرج کا موجب بھی تھی۔ لہٰذا خالص للّٰہی اور دینی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رضی نے متواتر چالیس دن دعائیں اور چند بزرگان سلسلہ کو سات دن تک استخارہ اور دعائیں کرنے کا ارشاد فرمایا اور جب خدا تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی بشارتوں کے مطابق انشراحِ صدر ہو گیا تو حضور نے نکاح ثانی کا فیصلہ کیا اور مکرم خان عبدالمجید خانصاحب آف ویرووال کی صاحبزادی سیّدہ طاہرہ صدیقہ بیگم صاحبہ سے مورخہ ۱۱ اپریل ۱۹۸۲ء کو مسجد مبارک ربوہ میں بعد نمازِ عصر حضور نے اپنے عقد ثانی کا اعلان ایک ہزار حق مہر پر فرمایا۔ نماز مغرب سے قبل، مردوں اور تین خواتین پر مشتمل حضور کی بارات خان عبدالمجید خانصاحب کے گھر گئی اور کمال سادگی کے ساتھ تقریب رخصتانہ عمل میں آئی۔ اگلے روز ۱۲ اپریل ۱۹۸۲ء کو بعد نماز عشاء حضور نے قصرِ خلافت میں دعوت ولیمہ کا اہتمام فرمایا جس میں اڑھائی صد احباب جماعت شامل ہوئے جن میں غرباء

بھی کثیر تعداد میں مدعو تھے۔

آخری خطاب

۶ رمئی ۱۹۸۲ء کو حضور نے مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی پندرہ روزہ تربیتی کلاس سے اختتامی خطاب فرمایا۔ جو کسی جماعتی تنظیم سے حضور کا آخری خطاب ہے۔

ربوہ میں آخری خطبہ جمعہ

۲۱ رمئی ۱۹۸۲ء کو حضور نے ربوہ میں آخری خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ اور ۲۳ رمئی کو حضور اسلام آباد تشریف لے گئے۔

حضور کی علالت اور انتقال پُرملال

قیام اسلام آباد کے دوران ۲۶ رمئی ۱۹۸۲ء کو حضور پُرنور کی طبیعت علیل ہو گئی۔ بر وقت علاج سے بفضل تعالیٰ افاقہ ہو گیا۔ لیکن ۳۱ رمئی کو اچانک طبیعت پھر خراب ہو گئی۔ ڈاکٹری تشخیص سے معلوم ہوا کہ دل کا شدید حملہ ہوا ہے۔ علاج کی ہر ممکن کوشش کی گئی اور ۸ رجون تک صحت میں بتدریج بہتری پیدا ہوتی گئی۔ لیکن ۸ - ۹ رجون یعنی منگل اور بدھ کی درمیانی شب پونے بارہ بجے کے قریب دل کا دوبارہ شدید حملہ ہوا اور بقضائے الٰہی پونے ایک

بجے شب "بیت الفضل" اسلام آباد میں حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے ربّ کے حضور حاضر ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡن ؁

۹ر جون ۱۹۸۲ء کو حضور کا جسدِ اطہر اسلام آباد سے ربوہ لایا گیا۔ ۱۰ر جون کو سیّدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بعد نماز عصر احاطہ بہشتی مقبرہ میں نماز جنازہ پڑھائی جس میں ایک لاکھ کے قریب احباب شریک ہوئے۔ نماز جنازہ کے بعد حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے پہلو میں جانب شرق حضور کی تدفین عمل میں لائی گئی۔

حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۷۳ سال کی عمر پائی۔

اولاد

صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب۔ صاحبزادہ مرزا لقمان احمد صاحب۔ صاحبزادی امۃ الشکور بیگم صاحبہ۔ صاحبزادی امۃ الحلیم بیگم صاحبہ ؏

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ

پیدائش ۱۹۲۸ء / ۱۳۴۷ھ

ابتدائی زندگی

ہمارے پیارے امام حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ حضرت مصلح موعودؓ کے حرم ثالث حضرت سیّدہ اُمّ طاہر مریم بیگم صاحبہ کے بطن سے ۱۸ دسمبر ۱۹۲۸ء (۵ رجب ۱۳۴۷ھ) کو پیدا ہوئے[1] حضور کے نانا حضرت ڈاکٹر سیّد عبدالستار شاہ صاحب کلر سیّداں تحصیل کہوٹہ ضلع راولپنڈی کے ایک مشہور سیّد خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ بڑے عابد و زاہد اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے جنہوں نے ۱۹۰۱ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ کی والدہ حضرت سیدہ مریم بیگم صاحبہ بھی نہایت پارسا اور بزرگ خاتون تھیں جو اپنے اکلوتے بیٹے کی تعلیم و تربیت کا بیحد خیال رکھتی تھیں اور اسے نیک، صالح اور عاشق قرآن دیکھنا چاہتی تھیں۔

حضرت صاحبزادہ صاحب نے ۱۹۴۴ء میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے میٹرک پاس کر کے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور ایف ایس سی تک تعلیم حاصل کی۔ ۷ دسمبر ۱۹۴۹ء کو جامعہ احمدیہ میں داخل ہوئے اور ۱۹۵۳ء میں نمایاں

---

[1] :- الفضل ۲۱ دسمبر ۱۹۲۸ء ؎

کامیابی کے ساتھ شاہد کی ڈگری لی۔ اپریل ۱۹۵۵ء میں حضرت مصلح موعودؓ کے ساتھ یورپ تشریف لے گئے اور لنڈن یونیورسٹی کے سکول آف اورینٹل اسٹڈیز میں تعلیم حاصل کی۔ ۴ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو ربوہ واپس تشریف لائے۔

۱۲ نومبر ۱۹۵۸ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو وقفِ جدید کی تنظیم کا ناظم ارشاد مقرر فرمایا۔ آپ کی نگرانی میں اس تنظیم نے بڑی تیز رفتاری سے ترقی کی۔ حضرت مصلح موعودؓ کی زندگی کے آخری سال میں اس تنظیم کا بجٹ ایک لاکھ ۷۰ ہزار روپے تھا جو خلافت ثالثہ کے آخری سال میں بڑھ کر دس لاکھ پندرہ ہزار تک پہنچ گیا۔ نومبر ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۶ء تک آپ نائب صدر خدام الاحمدیہ رہے۔ ۱۹۶۰ء کے جلسہ سالانہ پر آپ نے پہلی مرتبہ اس عظیم اجتماع میں خطاب فرمایا۔ اس کے بعد قریباً ہر سال ہی جلسہ سالانہ کے موقعہ پر خطاب فرماتے رہے۔ ۱۹۶۱ء میں آپ افتاء کمیٹی کے ممبر مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۶ء سے نومبر ۱۹۶۹ء تک مجلس خدام الاحمدیہ کے صدر رہے۔ یکم جنوری ۱۹۷۰ء کو فضل عمر فاؤنڈیشن کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔

۱۹۷۴ء میں جماعت احمدیہ کے ایک نمائندہ پانچ رکنی وفد نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نور اللہ مرقدہٗ کی قیادت میں پاکستان اسمبلی کے سامنے جماعت احمدیہ کے موقف کی حقانیت کو دلائل و براہین سے واضح کیا۔ آپ اس وفد کے ایک رکن تھے۔ یکم جنوری ۱۹۷۹ء کو آپ صدر مجلس انصار اللہ مقرر ہوئے اور خلیفہ منتخب ہونے تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ ۱۹۸۰ء میں آپ احمدیہ آرکیٹکٹس اینڈ انجینئرز ایسوسی ایشن کے سرپرست مقرر ہوئے۔

جلسہ سالانہ ۱۹۸۰ء کے موقعہ پر اس ایسوسی ایشن نے جلسہ کی تقاریر کا ساتھ کے ساتھ انگریزی اور انڈونیشین زبان میں ترجمہ پیش کرنیکا کامیاب تجربہ کیا۔

دَورِ خلافت

۱۰ر جون ۱۹۸۲ء کو حضرت مصلح موعودؓ کی مقرر کردہ مجلس انتخاب خلافت کا اجلاس بعد نماز ظہر مسجد مبارک میں زیر صدارت حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل الاعلیٰ تحریک جدید منعقد ہوا اور آپ کو بالاتفاق خلیفۃ المسیح الرابع منتخب کیا گیا اور تمام حاضرین مجلس نے انتخاب کے معاً بعد حضور کی بیعت کی۔

حضور ۲۸ر جولائی ۱۹۸۲ء کو یورپ کے دَورہ پر روانہ ہوئے۔ آپ کے پروگرام کا بڑا مقصد مختلف مشنوں کی کارکردگی کا جائزہ لینا اور مسجد سپین کا معینہ پروگرام کے مطابق افتتاح کرنا تھا۔ اس سفر میں حضور نے ناروے، سویڈن، ڈنمارک جرمنی۔ آسٹریا۔ سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، سپین اور انگلستان کا دَورہ کیا اور وہاں کے مشنوں کا جائزہ لیا۔ سفر کے دَوران تبلیغ و تربیت اور مجالس عرفان کے علاوہ استقبالیہ تقاریب کے ۱۰ پریس کانفرنسوں اور زیورک میں ایک پبلک لیکچر کے ذریعہ اہل یورپ کو پیغامِ حق پہنچایا۔ انگلستان میں دو نئے مشن ہاؤسوں کا افتتاح کیا۔ یورپ کے ان ممالک میں ہر جگہ حضور نے مجلس شوریٰ کا نظام قائم فرمایا۔ نیز حضور نے تمام ممالک کے احمدیوں کو توجہ دلائی کہ وہ شرح کے مطابق لازمی چندوں کی ادائیگی کریں۔

۱۰ر ستمبر ۱۹۸۲ء کو حسب پروگرام حضور نے "مسجد بشارت" سپین کا

تاریخ ساز افتتاح فرمایا اور واضح کیا کہ احمدیت کا پیغام امن و آشتی کا پیغام ہے۔ اور محبت و پیار سے اہل یورپ کے دل اسلام کے لئے فتح کئے جائیں گے۔" مسجد بشارت" پیڈرو آباد کے افتتاح کے وقت مختلف ممالک سے آنے والے قریبًا دو ہزار نمائندے اور دو ہزار کے قریب اہالیانِ سپین نے شرکت کی۔ ریڈیو۔ ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعہ مسجد بشارت کے افتتاح کا سارے یورپ بلکہ دوسرے ممالک میں بھی خوب چرچا ہوا۔ اور کروڑوں لوگوں تک سرکاری ذرائع سے اسلام کا پیغام پہنچ گیا الحمدللہ علیٰ ذالک۔ حضور نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا کے فضل سے یورپ میں اب ایسی ہوا چلی ہے کہ اہلِ یورپ دلیل سننے کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔

تحریک بیوت الحمد

سپین میں تعمیر مسجد کی توفیق ملنے پر ہر احمدی کا دل حمد باری تعالیٰ سے لبریز ہے اس حمد کو عملی جامہ پہنانے کیلئے حضور نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ اخاء ۱۳۶۱ ہش / اکتوبر ۱۹۸۲ء میں ارشاد فرمایا کہ خدا کے گھر کی تعمیر کے ساتھ ساتھ ہمیں غرباء کیلئے مکان بنوانے کی طرف بھی متوجہ ہونا چاہیئے۔ حضور نے اس منصوبہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی طرف سے اس فنڈ میں دس ہزار روپے دینے کا اعلان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ قدرتِ ثانیہ کے مظہر رابع کے مُبارک دَور میں اپنے فضل وکرم سے غلبۂ اسلام کی مہم کو آگے سے آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ؎

داعی الی اللہ بننے کی تحریک

سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۱۹۸۳ء کے آغاز میں ہی اپنے متعدد خطبات جمعہ[1] میں جماعت کے دوستوں کو اس طرف توجہ دلائی کہ موجودہ زمانہ اس امر کا متقاضی ہے کہ ہر احمدی مرد، عورت، جوان، بوڑھا اور بچہ دعوت الی اللہ کے فریضہ کو ادا کرنے کے لئے میدان عمل میں اتر آئے تا کہ وہ ذمہ داریاں کما حقہٗ ادا کی جا سکیں جو اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کے کندھوں پر ڈالی ہیں۔

تحریک کا پس منظر

اس تحریک کا پس منظر بیان کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ اس وقت ایسے مہلک ہتھیار ایجاد ہو چکے ہیں جن کے ذریعہ چند لمحوں میں وسیع علاقوں سے زندگی کے آثار تک مٹائے جا سکتے ہیں۔ ایسے خطرناک دور میں جبکہ انسان کی تقدیر لامذہبی طاقتوں کے ہاتھ میں جا چکی ہے اور زمانہ تیزی سے ہلاکتوں کی طرف جا رہا ہے۔ احمدیت پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ احمدیت دنیا کو ہلاکتوں سے بچانے کا آخری ذریعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری کیا گیا ہے۔ آخری ان معنوں میں کہ اگر یہ بھی ناکام ہو گیا تو دنیا نے لازماً ہلاک ہو جانا ہے اور اگر کامیاب ہو جائے تو دنیا کو لمبے عرصہ تک اس قسم

---

[1]: تفصیل کیلئے دیکھئے الفضل ۲۶ اپریل - ۱۵ - ۲۳ اور ۳۱ مئی، ۵ اور ۱۸ جون اور ۹ اگست ۱۹۸۳ء۔

کی ہلاکتوں کا خوف دامنگیر نہیں رہے گا

دعوتِ الی اللہ کے تقاضے

داعی الی اللہ بننے کے کیا تقاضے ہیں اور وہ کس طرح پورے کئے جا سکتے ہیں۔ اس بارے میں حضور نے سورۃ حٰمٓ السجدہ کی آیت

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (آیت ۳۴)

کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ مختلف مقاصد کی طرف بلانے والوں میں سے سب سے زیادہ منخص اور پیاری آواز اس بلانے والے کی ہے جو اپنے رب کی طرف بلاتا ہے لیکن اس کے ساتھ تین شرطیں لگا دیں۔ (۱) وہ اللہ کی طرف بلائے (۲) وہ عملِ صالح رکھتا ہو (۳) وہ اعلان کرے کہ میں مسلمان ہوں۔ درحقیقت اس آیت میں مسلمان بننے کی تعریف میں یہ امر شامل کر دیا کہ اس کے لئے داعی الی اللہ ہونا اور عمل صالح بجا لانا ضروری ہے۔

داعی الی اللہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس دعوت میں بلانے والے کا ذاتی کوئی مقصد پنہاں نہ ہو۔ وہ خالصتہً اللہ تعالیٰ کی خاطر اس کی طرف بلائے۔
عمل صالح کی تشریح قرآن کریم میں یوں کی گئی ہے کہ:۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۝ (توبہ۔ آیت : ۱۱۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے نفوس بھی خرید لئے ہیں اور ان کے اموال بھی

اور وہ اس کے بدلہ میں انہیں جنت عطا فرمائے گا۔ اس سودے میں نفوس کی قربانی بھی طلب کی گئی ہے اور اموال کی بھی اور نفوس کو مقدم کر کے اسے شرط اوّل قرار دیا ہے۔

پس عمل صالح میں جان کی قربانی، وقت کی قربانی اور مال کی قربانی سب آ گئیں۔ محض چندے ادا کر کے یہ سمجھ لینا کہ ذمہ داری ادا ہو گئی بالکل غلط ہے۔ یہ تو لنگڑا ایمان ہوا جس کی وجہ سے لازمًا دعوۃ الی اللہ کے کام میں نقص واقع ہوگا۔ اس وقت قریبًا سوا تین لاکھ عیسائی مبلّغ دنیا میں کام کر رہے ہیں۔ ان کے مقابل دو سو یا چار سو مبلّغوں کے ذریعہ اسلام کو دنیا میں غالب نہیں کیا جا سکتا۔ حضور نے فرمایا کہ میں تمام دُنیا کے احمدیوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ آج کے بعد ان میں سے ہر ایک کو لازمًا مبلّغ بننا پڑے گا۔ خواہ اس کا تعلق زندگی کے کسی شعبہ سے ہو اور اسے خُدا کے حضور اس کا جوابدہ ہونا پڑے گا۔

دعوۃ الی اللہ کا طریق

دعوۃ الی اللہ کس طرح کرنی ہے۔ اس ضمن میں حضور نے سورۃ النحل کی آیات اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ...... الخ (آیات ۱۲۶ تا ۱۲۹) کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ کے الفاظ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر خدا کی طرف بلانا ہے تو اس

طبعی جذبہ سے بلاؤ کہ گویا تم نے خُدا کو پا لیا ہے اور اس سے تمہارا ذاتی تعلق قائم ہو چکا ہے۔ پا لینے والے کی آواز میں ایک یقین، ایک شوکت اور ایک کشش ہوتی ہے جیسے عید کا چاند دیکھ لینے والا دوسروں کو بڑے وثوق اور شوق سے چاند دیکھنے کی دعوت دیتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کو پائے بغیر آواز ایسی ہی کھوکھلی اور بے اثر رہتی ہے جیسے گڈریے کے لڑکے کی آواز تھی جو کہتا تھا کہ شیر آیا۔ شیر آیا۔ دوڑنا۔

پھر جو شخص خُدا کو پا لیتا ہے وہ دعوت الی اللہ کا پورا اہل ہو جاتا ہے۔ اسے کسی ہتھیار کی ضرورت نہیں رہتی۔ بعض لوگ تبلیغ کے معاملہ میں اپنی کم علمی کا عذر پیش کرتے ہیں۔ یہ نفس کا دھوکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے بڑے اور کامیاب داعی الی اللہ تھے وہ ظاہری علوم سے بالکل بے بہرہ تھے۔ آپؐ کے امّی ہونے میں ایک یہ حکمت بھی تھی کہ کم علمی کے سوال کو باطل کیا جائے۔ جو شخص خدا کو پا لیتا ہے اسے دلائل خود بخود آ جاتے ہیں۔ پس کتابوں کا سوال بعد میں پیدا ہوتا ہے۔ اوّل اور اصل کام یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ سے ذاتی طور پر مضبوط تعلق قائم کیا جائے۔ کسی فرد نے خُدا کو پا لیا ہے یا نہیں۔ اس کا ثبوت اس کی گفتار اور کردار سے مل سکتا ہے۔ جو شخص عمل صالح نہیں رکھتا۔ گالی گلوچ سے پرہیز نہیں کرتا۔ دوسروں کے حقوق غصب کرتا ہے، ظلم کرتا اور لین دین کے معاملات میں صاف نہیں وہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ اس نے خدا کو پا لیا ہے۔

دعوت الی اللہ کے بارے میں دوسری بات یہ فرمائی کہ وہ بالحکمۃ ہونی چاہیئے۔ حکمت کے بہت سے پہلو ہیں۔ مثلاً (۱) موقعہ و محل کے مطابق بات کی جائے۔ (۲) گفتگو کے دوران سب سے مضبوط دلیل پہلے پیش کی جائے۔ (۳) عمومی تبلیغ کے علاوہ بعض سنجیدہ اور مناسب افراد کو منتخب کر کے انہیں پیغام حق پہنچایا جائے۔ (۴) منتخب شدہ افراد کو صرف ایک دفعہ تبلیغ کافی نہیں۔ سچائی بار باران کے گوش گذار کی جائے۔ (۵) کوئی شخص بات سننے کے لئے تیار نہ ہو تو اسے نصیحت کی بات کہہ کر اعراض کیا جائے۔

تیسری بات یہ بتلائی کہ دعوت موعظہ حسنہ کے رنگ میں شروع کی جائے۔ مخاطب کو بتلایا جائے کہ تبلیغ میں ان کا ذاتی مفاد کوئی نہیں بلکہ اس کی ہمدردی اور بھلائی مقصود ہے۔ کیونکہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ جن قوموں نے خدا کی طرف بلانے والوں کا انکار کیا ہے وہ بالآخر ہلاک ہو گئے ہیں۔ اس لئے آج جو پکارنے والا پکار رہا ہے عقلمندی اسی میں ہے کہ اس کے پیغام پر کان دھرا جائے۔

پھر آیت وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ دعوت الی اللہ میں ایسے مواقع بھی آتے ہیں جب مخاطب بھڑک اٹھتے اور درپئے آزار ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں فرمایا کہ بہترین طرز عمل یہ ہے کہ زیادتی پر صبر کیا جائے۔ قول کے لحاظ سے صبر یہ ہے کہ اذیتوں کو دیکھ کر دعوت الی اللہ کا کام ترک نہیں

کرنا اور نہ کسی سے خوف کھانا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ ۱۳ سال تک شدید ایذاؤں کے باوجود دعوۃ الی اللہ میں مصروف رہے۔ عمل کے لحاظ سے صبر یہ ہے کہ گالی کا جواب گالی سے سے نہیں دینا۔ ان حالات میں غصّہ کی بجائے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہونا چاہیئے اور محبت و پیار سے سمجھاتے چلے جانا چاہیئے۔ احسن عمل یہ ہے کہ بدی کا جواب اچھائی اور حسن سلوک سے دو۔ بدی خود بخود کم ہو جائے گی۔ پھر صبر سے کام کرتے چلے جاؤ تو تمہاری استقامت اثر پیدا کرے گی۔ محبت کا سلوک جاری رہے اور قول و فعل میں حسن برقرار رہے تو اس کا نتیجہ بالآخر یہ نکلتا ہے کہ جو پہلے جانی دشمن ہوتے ہیں وہ دلی دوست بن جاتے ہیں۔

وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ میں یہ بھی فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کی مدد کے بغیر دعوتِ الی اللہ کا کام کامیابی سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے دعوۃ کے کام کے دوران اوّل و آخر دعاؤں پر زور دو اور خدائے تعالیٰ سے استعانت طلب کرتے رہو۔ دلوں کو بدلنا اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور نتائج اسی کے فضل سے ہی خاطر خواہ نکلتے ہیں۔

تمت بالخیر